دیوان شیفتہ

نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ وحسرتی

مرتبہ حبیب اشعر

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
ہے آگ سی جو سینے کے اندر لگی ہوئی

دیباچہ

نام، ولادت اور خاندان

محمد مصطفیٰ خان نام۔ شیفتہ اور حسرتی تخلص۔ سالِ ولادت ۱۸۰۶☆ اور مقامِ ولادت دھلی ہے۔ ان کے والد: عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ، نواب ولی داد خان مرحوم کے صاحب زادے اور نواب محمد خاں بنگش رئیس فرخ آباد کے ہم نسب تھے۔ شیفتہ کی والدہ محترمہ: نواب اکبری بیگم، اس زمانے کے مشہور سپہ سالار: اسمٰعیل بیگ خاں ہمدانی کی صاحب زادی اور احتشام الدولہ محمد بیگ خاں کی نواسی تھیں۔

☆ کلب علی خان صاحب فائق رام پوری نے اپنی تالیف ''مومن'' میں شیفتہ کا سالِ ولادت ۱۲۱۸ھ متعین کیا ہے۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے اجداد، حصولِ مراتب و مناصب کے لیے، فرخ سیر کے عہد میں کوہاٹ سے دھلی آئے اور اپنے مقصد کو پہنچ کر، فرخ آباد میں اقامت گزیں ہو گئے۔ لیکن جب سلطنتِ دھلی کی شمع جھلملائی تو نواب مرتضیٰ خاں نے اپنے مستقر سے نکل کر، مہاراجہ جسونت راؤ ھلکر کی فوج میں ایک اُونچے عہدے پر ملازمت کر لی۔ ان دنوں لارڈ لیک مرھٹی فوجوں سے برسرِ پیکار تھا۔ لیکن نواب مرتضیٰ خاں کی خوش تدبیری سے یہ جدال و قتال صلح و صفائی پر ختم ہو گیا۔ جس کے صلے میں لارڈ لیک نے نواب مرتضیٰ خاں کو دھلی کے قریب گوڑ گانوے کے مضافات میں ہوڈل پلول کا علاقہ، جس کی آمدنی تین لاکھ روپے سالانہ تھی، بطور جاگیر دیا۔ یہ جاگیر نواب موصوف کی زندگی میں تو اُن کی ملکیت رہی لیکن ان کے انتقال کے بعد حکومت نے اسے ضبط کر لیا اور اس کے بدلے خاندان والوں کا بیس ہزار روپے الانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ جو سن ستاون کے ہنگامے تک جاری رہا۔

جہاں گیر آباد کا علاقہ پہلے راجہ کھوردس رائے کی ملکیت تھا۔ لیکن ۱۸۱۴ء میں بہ علت عدم ادائے مال گزاری نیلام ہوا اور نواب مرتضٰی خاں نے خرید کر اپنی زندگی میں ہی، اپنے صاحب زادے: نواب مصطفٰی خاں شیفتہ کے نام منتقل کر دیا۔ شیفتہ کے بعد یہ جاگیر ان کی اولاد کے پاس رہی۔ تا آں کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان برعظیم پاک و ہند بنا اور بھارت سرکار نے، اپنی حدود میں زمینداری کا خاتمہ کر کے، اس جاگیر کی بھی عاقبت ''بخیر'' کر دی۔

تعلیم و تربیت

انگریزی تعلیم کا باقاعدہ روج ہونے سے پہلے، برعظیم پاک و ہند میں عموماً اور یہاں کے علمی و ثقافتی مراکز میں خصوصاً کمتبی تعلیم رائج تھی۔ ان مکتبوں میں دینوی علوم کو دنیوی علوم پر تقدم حاصل تھا۔ غریب اور متوسط طبقے کے بچے مکتبوں میں پڑھنے جاتے، جو عموماً مسجدوں میں ہوتے تھے اور رجے پجے گھرانوں کے نونہال، اتالیقوں اور معلموں سے، اپنے گھروں پر تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ بعض اہل کمال صرف اپنی قیام گاہوں پر درس دیتے تھے اور معلّمی کو بطور پیشہ اختیار کرنا، اپنی اور اپنے علم کی توہین سمجھتے تھے۔☆

یہ کسی امیر زادے کو پڑھانے اس کی ڈیوڑھی پر نہ جاتے۔ بلکہ جس کسی کو ان کے فیض علم سے بہرہ اندوز ہونا ہوتا، وہ ان کی دہلیز پر حاضری دیتا۔ ان بزرگوں کے حلقہ ہائے درس بجائے خود ایک جامعہ ہوتے۔ جہاں ذہن کی تربیت کے ساتھ ساتھ نفس کی تہذیب بھی کی جاتی۔ اور کتابی علم کے ساتھ ساتھ طالبِ علم، اخلاق دولت سے بھی مالا مال ہوتے۔ علم کی یہی تقدیس اور اخلاق کا یہی احترام تھا۔ جس نے اس دور کے ہندی اسلامی معاشرے کو، سیاسی پستی اور اخلاق بد حالی کے باوجود، ذہن و نفس کی مکمل تباہی سے بچایا۔ چنانچہ عین اس وقت جب مغلوں کا سیاسی اقتدار دلی کے لال قلعے میں، آخری ہچکیاں لے رہا تھا قلعے کے باہر فضا شعرو

ادب کے ہنگاموں، مذہب وتصوف کے چرچوں اور جہاد و جاں فروشی کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

☆ اس زمانے میں ان علماء کی یادگار مشہور صوفی اور معقولات کے امام: استاذ المحترم حضرت مولانا عبد السلام نیازی ہیں۔

یہ تھا اس عہد کا اور خصوصاً دلیکا تعلیمی و تہذیبی ماحول، جس میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ہوش کی آنکھ کھولی۔ تذکرے ان کی ابتدائی تعلیم کے ذکر سے خالی ہیں۔ خود شیفتہ نے بھی ''گلشنِ بے خار'' میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ البتہ نظامی مرحوم نے ''کلیات شیفتہ وحسرتی'' کے دیباچے میں لکھا ہے:

''میاں جی مالا مال سے، جو دھلی کے ایک
مشہور بزرگ اور سربرآوردہ معلمین میں تھے۔
فارسی، عربی پڑھی اور علوم مروجہ حاصل کیے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درسیات کی تکمیل میاں جی مالا مال ہی نے کرائی ہو گی۔ اس زمانے میں استاد اور شاگرد ایک دوسرے سے کیسی گہری وابستگی رکھتے تھے: استاد، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ مرنے کے بعد بھی، دونوں نے ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یعنی میاں جی مالا مال آج بھی حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں، اپنے چہیتے اور نامور شاگرد کے سرہانے، ابدی نیند سو رہے ہیں۔

حدیث وقرات کا استفادہ حضرت مولانا حاجی محمد نور دھلوی نقشبندی سے کیا۔ جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے اور بالخصوص فنِ حدیث و تجوید میں ان کا کوئی مثیل ونظیر نہ تھا۔

قدیم علماء کا یہ دستور تھا کہ وہ منتہی ہونے کے باوجود، کسی خاص علم یا فن کے

امام سے نسبت قائم کرنے کے لیے اس کے حلقہ درس میں شامل ہو جاتے تھے۔ شیفتہ نے بھی قدماء کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے، مکہ معظّمہ کے فاضل اجل، عالم باعمل حضرت شیخ عبداللہ سراج حنفی سے صحاح کے ابتدائی حصے، تبرکاً پڑھے اور جب تک مکہ ٹھہرے، برابر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد جب مدینہ منورہ کی زیارت کو گئے تو شیخ محمد عابد سندھی سے اکثر حدیث کی کتابوں کے خاص خاص ابواب پڑھے اور روایت کرنے کی اجازت حاصل کی۔

مدینہ طیبہ ہی میں ایک اور بزرگ: مولوی کرم اللہ صاحب محدث بھی تھے۔ یہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دھلوی قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین'' میں ہے کہ شیفتہ نے ان سے بھی کچھ علوم پڑھے تھے۔ یہ سب اس وقت کی باتیں ہیں، جب شیفتہ ۱۲۵۴ء میں، حج کے لیے گئے تھے اور ان کی عمر چونتیس، پینتیس برس کی تھی۔

شاعری

شیفتہ نے اوائل عمر مین ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ فائق رام پوری نے ''مومن'' میں شیفتہ کے قلمی دیوان کے دیباچے کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس میں شیفتہ اپنی شاعری کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ''سولہویں سال میں شاعری فوق العادۃ بخشی اور تیسویں میں کمال عطا کیا اور اس شغل سے رک گیا۔''

سولہویں سال میں شاعری کے فوق العادۃ ملکہ کو اگر سخن آرائی پر محمول کیا جائے، تو بھی اتنی بات ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ اس عمر میں اچھا خاصا شعر کہنے لگے تھے اور اچھا خاصا شعر کہنے کے لیے کم از کم پانچ برس کی مشق بھی فرض کی جائے، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ شیفتہ نے گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی تصدیق خود شیفتہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ ''گلشن بے خار'' میں اپنی شاعری کے متعلق رقم طراز ہیں:

''فقیر از آواں صبا بہ ایں شغل منوط بودہ،
اکثرے عمر گرامی را رائیگاں داد۔ چوں ربط بہ ایں
فن از دیگر اشغال عالیہ وفنون شریفہ بازمی دارد۔
اکنوں دیر گاہ است کہ سروکارم نیست مگر بہ تحریک
مخلیاں گاہے از واردات جدیدہ اتفاق می افتد و
آں ہم بعد سالے نہ کہ ماہے۔''

یہ بات کہ شیفتہ نے نوعمری ہی میں شاعری کا آغاز کر دیا تھا اور اپنے علم و ذہانت، مطالعہ ومشق اور اربابِ کمال کے فیضِ صحبت سے وہ بہت جلد اس فن میں مشاق و استادی کے درجے پر پہنچ گئے تھے۔ ان کے اس مقطع سے بھی واضع ہوتی ہے

اے شیفتہ! اس فن میں ہوں اک پیرِ طریقت
گو عمر ہے میری ابھی اکیس برس کی

مومن سے شیفتہ کے تعلقات دوستانہ ہی نہیں، برادرانہ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو عزیز رکھتے اور دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ مومن عمر میں شیفتہ سے بڑے تھے زیادہ نہیں، یہی کوئی دو چار برس۔ علم وفضل میں بھی انیس بیس ہی کا فرق ہوگا۔ البتہ ذہانت و طباعی اور قدرتِ کلام میں مومن کو شیفتہ پر فوقیت حاصل تھی۔ غالباً اسی لیے شعروسخن کی راہ میں، شیفتہ نے مومن کو اپنا رہبر بنایا اور اگر چہ وہ اکیس برس کی عمر میں فن شاعری کے ''پیرِ طریقت'' ہو گئے تھے۔

اس کے باوجود مومن کی رہ نمائی سے بے نیاز نہ ہوئے۔ بلکہ مومن کے انتقال کے بعد، غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ یہ بات بظاہر عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ شیفتہ، جن کی سخن فہمی وسخن سنجی کا اعتراف اس زمانے کے تقریباً تمام اکابر شعرو ادب نے کیا ہے اور جن کا اردو فارسی کلام ان کی کہنہ مشقی بلکہ استادی کا بین ثبوت

ہے، زندگی بھر مشورۂ سخن کی ضرورت محسوس کرتے رہے اور جب مومن دنیا سے اٹھ گئے، تو انہوں نے غالب کی انگلی پکڑ لی۔ لیکن اگر اس زمانے کی معاشرت اور اہلِ کمال کی زندگی کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے، تو یہ حقیقت آئینہ ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر شعر گوئی میں مہارت حاصل ہو جانے کے بعد بھی شیفتہ، مومن کو اپنا کلام کھاتے رہے، یا اگر مومن کے انتقال کے بعد، انہوں نے غالب سے رشتۂ تلمذ قائم کرنے کی ضرورت سمجھی تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ سچ مچ اصلاح کے محتاج تھے۔ بلکہ اس سے ان کا مقصود اقلیمِ سخن کے ان دو تاج داروں کے کمالِ فن کا، عملی طور پر، اعتراف و اعلان تھا۔

ہاں، تو شیفتہ نے، مومن و غالب کی طرح، لڑکپن میں شعر کہنا شروع کیا اور دس بارہ برس کی مشق میں ایک صاحبِ طرز شاعر کی حیثیت سے، تاریخ ادب میں اپنی ایک ممتاز جگہ بنالی۔

عام زندگی

شیفتہ ایک بڑے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ دولت و امارت ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور مبدء فیاض نے انہیں علم دوستی اور ذہانت کے جوہر سے بھی نوازا تھا۔ ان کا زمانہ اگرچہ سیاسی افراتفری اور اس سے پیدا شدہ اقتصادی و اخلاقی بدحالی کا زمانہ تھا لیکن علما و صوفیا کی محفلیں علم و ہدایت کے چراغوں سے روشن تھیں اور دلوں پر مذہب و تصوف کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ مفاسد، مفاسد ہی رہتے تھے، فواحش نہیں ہونے پاتے تھے۔ برائی اگر شدید ہوتی تھی، تو برائی کا احساس شدید تر سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے اس زمانے کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں ایک عجیب قسم کی دو رنگی پائی جاتی ہے۔ ایک طرف طوائفوں کے کوٹھے آباد ہیں۔ اور دوسری طرف وعظ کی مجلسیں ہو رہی ہیں۔ اول شب، شراب کا دور چل رہا ہے اور آخر شب، تسبیح کھٹکھٹائی جا رہی ہے۔ ایک شخص ابھی راگ رنگ کی محفل میں بیٹھا، دادِ عیش دے رہا

تھا اور ابھی مسجد میں کھڑا، نہایت خشوع خضوع کے ساتھ، نماز پڑھ رہا ہے۔ سن ستاون سے پہلے مجلسی زندگی کا یہ عام رنگ تھا۔ جس سے معاشرے کا کم وبیش ہر طبقہ متاثر تھا۔ خاص طور پر کھاتے پیتے اور آسودہ حال لوگوں میں اس کی جھلک بہت نمایاں تھی۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ جب لڑکپن کی حدوں سے گزر کر، نوجوانی کی منزل میں قدم زن ہوئے تو ان کے بھی ایک ہاتھ میں ''جامِ شریعت'' تھا اور دوسرے ہاتھ میں ''سندانِ عشق'' اور وہ بڑی مہارت کے ساتھ ''جام وسنداں'' سے کھیل رہے تھے۔ روحانی تقاضے انہیں اہل اللہ کے حلقے میں لے جاتے تھے اور نفس کے مطالبے ''چرخے والوں کے محلے'' میں۔ ذہن وفکر کی رفعتیں انہیں ''اشغال عالیہ'' اور ''فنونِ شریفہ'' کی طرف کھینچتی تھیں اور قلب وشوق کی شورشیں شعروشاعری اور عشق و عاشقی کی طرف۔ اور وہ بڑے اعتدال، انتہائی رکھ رکھاؤ کے ساتھ، روح و نفس اور ذہن و قلب کی تشفی و آسودگی کا سامان بہم پہنچا رہے تھے۔ رات کو بزم نوشانوش آراستہ ہوتی اور جب شمع کی لو زرد پڑ جاتیک، تو وضو کیلیے پانی طلب کیا جاتا:

پانی وضو کو لاؤ! رخِ شمع زرد ہے
مینا اُٹھاؤ! وقت اب آیا نماز کا

جن ناقدین نے شیفتہ کے کلام اور حالات زندگی کا سرسری نظر سے مطالعہ کیا ہے، وہ ان کے بارے میں اچھی خاصی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے۔ شیفتہ کی زندگی عنفوانِ شباب میں بالکل ویسی ہی تھی، جیسی اس زمانے کے دولت مند شریف زادوں کی، اس ماحول میں، ہونی چاہیے تھی۔ وہ شاہدان عشوہ فروش کی زلف گرہ گیر کے اسیر بھی تھے اور پیرانِ باصفا کی نگاہِ کیمیا اثر کے حلقہ بگوش بھی۔ شعروسخن کی محفلوں کے رکن رکین بھی تھے اور علم وفضل کی مجلسوں

کے صدر نشین بھی۔لیکن سن و سال کے ساتھ ساتھ، جب جوانی کے طوفان کا ''مد'' پختہ عمرے کے ''جزر'' میں تبدیل ہوا تو روحانیت، مادیت پر غالب آ گئی اور قلب و شوق کی شورشیں، ذہن وفکر کی رفعتوں میں تحلیل ہوگئیں۔رامش ورنگ نے ''اشغال عالیہ'' کے لیے جگہ خالی کردی اور شعروشاعری نے ''فنون شریفہ'' کو رستہ دے دیا۔تا آں کہ ان کی زندگی کا ربع آخر ایک ایسے دل پذیر سانچے میں ڈھل گیا جس میں فکر ونظر کی گہرائی بھی تھی اور علم وتدبر کی گیرائی بھی، پاکیزگی نفس کا نور بھی تھا اور طلبِ معرفت کا شعلہ بھی، جہدوریاضت کی سخت کوشی بھی تھی اور پرہیز گاری ونیکوکاری کی عافیت اندوزی بھی۔

زندگی کے اس مرحلے پر پہنچ کر شیفتہ نے اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب کو اپنا شعار حیات بنالیا۔نواب صدیق حسن خاں مرحوم ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

> ''زمانے کہ سنین عمرش ازعشرۂ رابعہ در گزشت، دست بہ بیعت شاہ عبدالغنی مجددی نقشبندی دادہ سالکِ طریق سلوک گشت و پئے کسبِ سعادت حج وزیارت جادۂ سفر حجاز نوشت۔''

حج بیت اللہ سے واپس آ کر شیفتہ، شاہد وشراب سے بالکل گنارہ کش ہو گئے اور اپنے ایک مقطع میں اس کا اظہار بھی کر دیا:

اے شیفتہ ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

شعر گوئی کا مشغلہ بھی برائے نام رہ گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب دیوان کی نظر ثانی کرنے بیٹھے، تو ایسے تمام اشعار قلم زد کر دیے جن سے نوجوانی کی خوش فعلیاں اور معاملات وابستہ تھے اور ان میں کوئی خاص شاعرانہ حسن بھی نہ تھا۔یہ

منتخب کلام جب شائع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا اور انہوں نے شیفتہ کی آخری زندگی کے زہد و تقشّف اور جذب و روحانیت کی داستانیں سنیں تو یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ ہمیشہ کے زاہد مرتاض اور اعبد شب زندہ دار تھے۔ اور اپنے اس گمان کے پیش نظر، شوخی اور معاملہ بندی کے جو اشعار دست انتخاب کی کانٹ چھانٹ سے بچ گئے تھے۔ خواجہ حافظ کے اشعار کی طرح ان کی بھی تاویلیں کرنے لگے۔ اس طرح ''بادہ و ساغر'' کے بیان کو ''مشاہدۂ حق'' کی گفتگو سمجھ لیا گیا اور ارسطا طالیسی محبت کو افلاطونی عشق کا لبادہ پہنا دیا گیا۔ اس کے بعد جب نوبت دور حاضر کے مورخین و ناقدین تک پہنچی، تو انہوں نے بھی منتخب کلام اور مشہور روایات کو سامنے رکھ کر شیفتہ کی شخصیت اور فن کا جائزہ لے لیا اور اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو گئے۔

معاشقہ

شیفتہ کے شبستان شباب کو جن شاہدانِ شعلہ رخسار کی آب و تاب نے روشن کیا، ان میں سے صرف بی رمجو نزاکت کا نام ہم تک پہنچا ہے۔ رمجو نارنول کی ڈیرے دار تھی۔ لیکن اوائل عمر ہی میں دلی آ گئی تھی۔ اور چرخے والوں کے محلے میں رہتی تھی۔ اس کا تعارف اگر شیفتہ ہی کی وساطت سے کرایا جائے، تو زیادہ بہتر ہوگا۔ شیفتہ ''گلشن بے خار'' میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:

'' شاہد یست شیریں و دلبر پست نمکیں۔ از شعشعۂ عذار تابانش خورشید خجل و از جلوئہ قامت زیبایش شمشاد پادر گل۔ غنچہ از لب خندانش طرز تبسم آموختہ و شمع از عارض رخشانش چہرہ بر افروختہ۔ نسیم کویش عطر بیز تر از باد بہار است و شمیم مویش رنگ ریز تر از ناف آہوان تتار۔ خجستہ روئے و خجستہ خوئے و

خجستہ کام۔ خوش ترکیب و خوش حرکات و خوش خراء ۔ تازہ گل گلشن جوانی است و نورس ثمر باغ زندگانی در گلستان حسن سریست نو خاستہ و باچنیں صفات ظاہر بہ محاسن باطن آراستہ، از حسن صورت چہ گوید کہ بہ معنی صد چنداں ازاں است بصفائی فکر و جودت ذہن و درستی فہم وحید عالم و یکتائے زماں۔ طبع لطیفش، بمقتضائے فطرت، بہ کسب فنون کمال مالوف اسب و بہ حسب سرشت از اوضاع نا پسندیدہ نفور و بہ سجایات مرضیہ مشغوف۔ از زیرکی و فطانت و شوخی و متانت بہ کلی بہرہ ور و از آئین درد مندی و بے دردی و وفا پروری و بے رحمی بے خوبی باخبر۔ ۔ ۔"

بادی النظر میں یہ بیان مبالغے پر محمول کیا جائے گا اور جب کوئی شیوا بیان شاعر اپنی محبوبہ دل آرام کی تعریف وتوصیف کرے، تو مبالغہ کوئی ایسی انوکھی بات بھی نہیں رہ جاتا۔ لیکن اگر اس زمانے کی طوائفوں کے علم وشائستگی اور شیفتہ کے مزاج و مذاق کو پیشِ نظر رکھا جائے، تو ہمیں ان کے اس بیان میں، عبارت آرائی کے سوا، کوئی مبالغہ نظر نہیں آتا۔ شیفتہ ایک الجھے ہوئے رئیس تھے۔ ان کا علم وسیع، نظر گہری اور مذاق پاکیزہ تھا۔ تہذیب وشرافت کے جس اعلیٰ ماحول میں انہوں نے پرورش پائی تھی۔ اس میں جہالت ورذالت، ٹباوت وبلادت اور سبک مغزی وبد مذاقی کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ کسی ایسی بازاری عورت کو دل دے بیٹھتے، جو محض حسین وطنار ہوتی اور سیرت کی کوئی خوبی، معنویت کی کوئی جھلک

اس میں نہ پائی جاتی۔ وہ تو اپنی معنویت پرستی میں اس قدر غالی واقع ہوئے تھے کہ آسودہ حالی کے ساتھ۔ خوش شکل نہیں۔۔۔ خوش مزاج معشوق کو زندگی کا سرمایہ راحت سمجھتے تھے:

کافی ہے خوش گزرنے کو دنیا میں اس قدر
معشوق خوش مزاج ہو، وجہِ کفاف ہو!

ہاں تو رمجو میں حسن کے ساتھ ذہانت تھی اور شوخی کے ساتھ متانت، وہ بہ یک عقت دردمندی و بے دردی اور وفا پروری و بے رحمی کی متناقض صفات سے متصف تھی۔ جس کی طرف شیفتہ نے اپنے اس شعر میں بھی اشارہ کیا ہے:

تم لوگ بھی غضب ہو! کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا، سحر آہن بنا دیا

بقول شیفتہ: اکتساب فنون سے اسے فطری دلچسپی تھی اور فارسی زبان کا وہ اچھا خاصا ذوق رکھتی تھی۔ ''لحن عراق'' میں جو خطوط، مکتوب الیہم کے ناموں کی صراحت کے بغیر، شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے آٹھ خط، قیاس کہتا ہے کہ رمجو کے نام ہیں۔ ان خطوں میں شیفتہ نے اپنی فارسی انشاء پردازی کے جو کمالات صرف کیے ہیں وہ کسی بے ذوق اور کم سواد عورت کے لیے چاہے وہ محبوبہ ہی کیوں نہ ہو۔ روا نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ اور رمجو کی ذہانت و فطانت اور خوش ذوقی و خوش فکری کا سب سے بڑا ثبوت تو اس کی شاعری ہے۔ شیفتہ نے گلشن نے خار میں اس کے جو اشعار منتخب کیے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی شاعری محض تفنن کی شاعری نہ تھی۔ بلکہ وہ تغزل کا نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرا ذوق رکھتی تھی۔ چند اشعار آپ بھی سنیے:

اس کے رہتا ہے یار آنکھوں میں
ہے نظر بے قرار آنکھوں میں

محفلِ گل رخاں میں وہ گل رو
لے گیا دل ہزار آنکھوں میں
سرمہ خاکِ پا عنایت ہو
آ گیا ہے غبار آنکھوں میں

پڑا ہے کو نِ دل، سو سے قدم تک، جا بجا میرے
بنایا تھا مجھے گویا کہ خاک کوئے قاتل سے

کیا کیا عزاب اُٹھائے ہیں اندوہ عشق کے
جز نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی

کیوں نہ میں قربان ہو ں، جب وہ کہے ناز سے
ہم کو جفا کا ہے شوق، اہل وفا کون ہے؟

مرے شوقِ پہناں کی تا ثری دیکھو
کہ دل دار بھی دل ربا جانتا ہے

نا منصفی اور ائے بت بے داد گر! ایسی
چاہت تر ی غیروں کو بھی ہوگی مگر ایسی
حرماں ہے اگر چاہ کی تعزیر، تو ظالم!
تقصیر نہ ہوگی کبھی بار دگر ایسی

ہم بز مئی دشمن کو چھپا نا ہی تھا قا صد!
کہتا ہے کس سے کو ئی نا دان! خبر ایسی

رمجو سے شیفتہ کے عشق کا آغاز ۱۲۴۴ھ یا اس کے لگ بھگ کی بات ہے جب شیفتہ، رمجو اور جنگلو کی مسی مالی کی تقریب میں غالباً ایک کردار کی حیثیت سے شرکت کرتے ہیں اور دو غنچہ سوسن سے اس کی تاریخ نکالتے ہیں۔ اپنے قطعہ تاریخ میں وہ رمجو کی رنگت اور قد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یعنی دو نازنین دل آرام
جسن کا ہے رمجو اور جنگلو نام
صبح عیش ایک، ایک شامِ سرور
روز، عید ایک، اک شبِ پر نور
ہیں اگرچہ وہ دونوں مہ پیکر
لیک بالاتر ان میں بالا تر

بعد کو محبت کی پینگیں بڑھتی ہیں اور وصل و فراق کے مختلف مراحل پیش آتے ہیں۔ جن کی تفصیل شیفتہ نے اپنے ان منظوم خطوں میں پیش کی ہے، جو مطبوعہ دیوان سے خارج کر دیے گئے ہیں اور اس مخطوطہ دیوان میں موجود ہیں جو رضا لائبریری رام کی ملکیت ہے۔ مومن کی مثنویوں کی طرح شیفتہ کے یہ تین منظوم خط ان کی حیات معاشقہ کا ایک اہم حصہ ہیں پہلے خط کے چار ابتدائی شعر ظاہر کر رہے ہیں کہ مکتوب الیہا مغنیہ و رقاصہ ہے۔

اے ساقی محفل نکویاں!
اے رونق بزم شمع رویاں!
اے زمزمہ سنج، نغمہ پرداز!
اے ماہ لقائے زہرہ انداز!

اے دلبر خلق و جان عالم!
گنجینہ بحر و کان عالم!
اے برق تپاں زمانہ رقص!
اے سروِ رواں زمانہ رقص!

اور بارہویں شعر میں اس مغنیہ و رقاصہ کا نام بھی، شاعرانہ اتوٹ کے ساتھ بتا دیا گیا ہے:

عاشق سے یہ رم جو کر گئے تم
ہاں! اپنے ہی نام پر گئے تم

رمجو انھیں چھوڑ کر چلی گئی ہے اور رقیب کی شادکامی کا خیال ان کے دل میں کانٹا بن کر کھٹک رہا ہے:

اب تازہ رقیب شاد ہوں گے
ہم کا ہے تم کو یاد ہوں گے

جدائی میں محبوبہ کی ایک ایک ادا یاد آ کر انھیں تڑپا رہی ہے:

وہ تیری فسوں گری کی باتیں
دل داری و دل بری کی باتیں
وہ طور کہ جس میں آن نکلے
وہ ناز کہ جس پہ جان نکلے
وہ قہر کہ جس سے ہو عیاں لطف
ظاہر میں عتاب، پر نہاں لطف

اور وہ مکان جہاں شیفتہ اس کے وصل سے آسودہ ہونے تھے اب پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا ہے:

دالان، جو گیرتِ ارم تھے

ہم تم شبِ وصل واں بہم تھے
ویراں کدہ جنوں بنے ہیں
غیر ت دہ بے ستو ں بنے ہیں

ادھران کی یہ بےقراری اور اُدھر محبوبہ کی بے نیازی و بے پروائی کا یہ عالم کہ تسلی کے دوحرف لکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی:

جس دن سے گئے ہو یعنی یا ں سے۔
خط بھی نہیں بھیجا اک وہا ں سے

یہ جھنجھلا کر خط آزادی طلب کر تے ہیں:

کرتے نہیں خط رواں، نہ کیجئے
آزادی کا خط تو بھیج دیجئے

اور آخر میں بالکل مایوس ہوکر کہتے ہیں:

لو، شہر ہی چھوڑ کر چلے ہم
تم واں گئے اور ادھر چلے ہم
کیا وصل محال ہوگیا اب
تھا خواب، خیال ہوگیا اب
تم آئے، تو ہم بھی آئیں گے یاں
دیکھیں گے تو منہ دکھائیں گے یاں

دوسرا خط ایک اور اندوہِ فراق کا دکھڑا ہے۔ شیفتہ سورپور گئے ہیں۔ لیکن رجو ان کے ساتھ نہیں۔ اس حالت میں جو کچھ ان پر بیتی، اسے انہوں نے، حقیقت نگاری کی تمام جزئیات کے ساتھ، بڑے دل کش اور دل دوز اسلوب میں بیان کیا ہے۔ رخصت کے وقت کی منظر کشی کتنی حقیقی ہے اور اس کی تفصیلات کتنی واقعی:۔

قسمیں وہ وعدۂ وفا کے ساتھ

وہ یہ کہنا ترا ادا کے ساتھ
''کب تلک آؤ گے! یہ کہہ جاؤ
اچھی! تم آج اور رہ جاؤ''
چشم زہرابِ حسرت آلودہ
وہ نگاہیں مروت آلودہ
دمِ رخصت چمٹ کے لگنا گلے
اور وہ کہنا کہ'' تم تو سچ ہی چلے''

اردو مثنویوں میں محبّ ومحبوب کی رخصت کے مناظر بڑے فن کارانہ انداز میں مرتب کیے گیے ہیں۔خاص طور پر نواب مرزا شوق لکھنوی نے مثنوی ''زہر عشق'' میں، رخصت کے وقت، جو باتیں اپنی ہیروئین کی زبان سے کہلوائی ہیں۔وہ مشرقی عورت کی وفا شعاری اور شدت جذبات کی مکمل ترین تصویر ہیں۔لیکن شیفتہ نے مسطورۂ بالا چار شعروں میں اپنی محبوبہ کے رخصتی کلمات، جس روانی اور بے تکلفی کے ساتھ نظم کیے ہیں۔وہ بھی نسوانی جزبات واحساسات کی ترجمانی میں اپنی نظیر بس آپ ہی ہیں:

پہنچی منزل کو کیونکہ کھودیں ہم
یعنی منزل کو پہنچیں گے اُس دم
کہ وہ وعدہ وفا کرو گے تم
حقِ اُلفت ادا کرو گے تم
رمضاں بھی قریب ہے لیکن
مجھ کو شور نشور ہے ہر دن
کس کو صبر و سکوں کا یارا ہے
تلخ کامی کہاں گوارا ہے

اور دل کی شیفتگی (حرف اضطراب) بن کر، زبان قلم سے یوں تراوش پاتی ہے۔

مجھ کو بلواؤ یا تم آپ آؤ
جلد ٹھہراؤ، جلد ٹھہراؤ!
اور توبہ کو بھی قیام رہے
صحن خانہ میں ہی قیام رہے
یاد رکھیو! وہ سینکڑوں قسمیں
آئیو مت رقیب کے بس میں
کیجیو مت خیال خامِ سفر
لائیو مت زباں پہ نامِ سفر
حرف لانا نہ بات پر اپنی
پختہ رہیو صفات پر اپنی
جان بلب ہوں فلک کو کے کینے سے
آگے مت بڑھیو اس مہینے سے
کہ مجھے ہے یہ ناگوار بہت
ہوں مری جان بے قرار بہت
گو کہ ہووے رقیب دور زماں
پر نہیں صبر عید تک بھی یہاں
مان لے التماس یہ میرا
تیرے قربان! شیفتہ تیرا
مجھ کو پہنچاؤ مدعا کو تم
دیکھنا پھر مری وفا کو تم

مرتے مرتے یونہی نباہوں گا
تم سے افزوں وفا کو چاہوں گا

اسی طرح تیسرے خط میں بھی شبِ ہجراں کی طولانیاں بیان کر کے ستارۂ سحری کے طلوع کی دعا مانگی گئی ہے۔

حج بیت اللہ

۱۲۴۴ھ سے ۱۲۵۴ھ تک شیفتہ کی محبت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۵۴ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۸۳۹ء کو وہ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے حجاج کو بحری اور بری سفر میں بڑی دشواریاں پیش آیا کرتی تھیں اور کبھی کبھی ان کا جانیں تک خطرے میں پڑھ جاتی تھیں۔

شیفتہ کے ساتھ بھی ایک ایسا ہی ہول ناک واقعہ پیش آیا۔ حدیدہ سے نکل کر ان کا جہاز ایک چٹان سے ٹکرایا اور ٹوٹ گیا۔ کشتیوں نے مسافروں کو ویران جزیرے میں اتار دیا۔ جہاں تقریباً ایک مہینے تک بھوک پیاس کی تکلیفیں جھیلنے کے بعد، شیفتہ ایک کشتی کے ذریعے ساحل لیث پر اترے اور وہاں سے یمن کے رستے، مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مکہ معظّمہ پہنچ کر جب بیت اللہ کی زیارت نصیب ہوئی، تو سفر کی ساری مصیبتیں، تمام شائد بھول گئی حج سے فائغ ہونے کے بعد شیفتہ کیوالدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ نے، چار دن کے فصل سے، یکے بعد دیگرے داعی اجل کو لبیک کہا اور جنت البقیع کے مقدس قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

دو مہینے اور پانچ دن مکہ معظّمہ میں قیام کرنے کے بعد، شیفتہ نے مدینت النبی میں حاضری دی اور انتالیس دن وہا مقیم رہ کر، مکہ معظّمہ واپس ہونے، مکہ معظّمہ سے طائف گئے اور طائف سے پھر حرم محرم پہنچے پندرہ دن مکہ معظّمہ میں آخری بار قیام کر کے وطن کو مراجعت کی اور پورے دو سال اور چھ دن کے بعد ۲۳ ذی الحجہ

۱۲۵۶ مطابق ۱۶ فروری ۱۸۴۱ کو دہلی میں وائد ہوئے۔ اب شیفتہ کی زندگی یکسر بدل چکی تھی۔ خواہش صہبا کی جگہ اوراد و وظائف نے لے لی تھی اور شوق صنم عشق الٰہی میں تبدیل ہو چکا تھا۔

سن ستاون کا ہنگامہ

سن ستاون کے ہنگامے میں مسلمانوں پر عموماً اور ان کے عمائد و شرفاء پر خصوصاً آلام و مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے، شیفتہ بھی ان سے محفوظ نہ رہے۔ ٹھاکروں نے جہاں گیر آباد کے قلعے پر قبضہ کر لیا اور عالی شان و خوش نما محلوں کو آگ لگا دی۔ تمام قیمتی اور پر تکلف اثاثا میت جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ شیفتہ کا بیش قیمت کتب خانہ اور ان کی اپنی تصانیف، جن میں اردو اور فارسی کلام بھی تھا، آگ کے شعلوں کی غذا بن گیا۔

بیماری اور وفات

شیفتہ ذیابیطس کے مریض تھے۔ وقت آخر ہاتھ میں ایک کلا دانہ نکل آیا اور وہی موت کا نہانہ ہو گیا، ان دی بیماری کے زمانے کا ایک واقعہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ مرحوم کی زبانی سنتے نقل ہے۔ کہ دہلی میں نواب صاحب کو مرض سرطان عائض ہوا۔ ڈاکٹر اپریشن کیا کرتا تھا اور ناقص حصہ گوشت کا آلات سرجری سے کاٹ کاٹ کر برابر صاف کیا کرتا تھا، جس سے تیمارداروں کو تاب ضبط نہ رہتی تھی، چنانچہ ایک روز صاحب زادہ محمد علی خان بے اختیار رو تے لگے، لیکن نواب صاحب کی پیشانی پر کبھی بل بھی نہ آتا تھا۔ صاحبزادہ کو بلایا اور فرمایا کہ اس جسم خاکی کے زوال پر رونا نہایت کم ہمتی ہے۔ انسان کہ اپنی مصیبت پر رونا نہ چاہیے۔ یہ بے نظیر صبر و استقلال بلا شبہ ان کی روحانیت کا فیض تھا۔ بالاخر یہ ہٹیلا مرض ۱۸۶۹ء میں ان کی جان لے کر ٹلا۔ اس وقت شیفتہ کی عمر ۶۳ برس کی تھی۔ اپنا بیت اللہ سے ساتھ لے کر اڑتے تھے۔ اسی میں کفنائے گئے اور حضرت سلطان اجائخ محبوب الٰہی کی درگاہ

میں اپنے جدامجد کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ مولانا حالی مرحوم نے سورۂ دھر کی ایک آیت (وجزاھم بما صبروا جنت وحریرا) سے تاریخ وفات نکالی، جو شیفتہ کی لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

اولاد

شیفتہ کے تین صاحب زادے تھے اور دو صاحب صاحبزادیاں۔ سے سے بڑے صاحب زادے، نواب محمد علی خاں ریاست رام پور میں ریونیو مجسٹریٹ اور لارڈ لینس ڈون کے زمانے میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن بھی تھے۔ رشکی ان دا تخلص تھا اور شاعری کا نہایت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ان کا یہ شعر اردو کے اندہ شعروں میں سے ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر
مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

دوسرے صاحب زادے کا نام نواب نقش بند خاں تھا اور تیسرے زادے نواب حافی محمد اسحاق خاں مرحوم تھے۔ یہ صوبہ متحدہ میں ڈسٹرکٹ ججی کے عہدے پر ممتاز تھے۔ چار سال تک ریاست رام پور میں مدارالمہام بھی رہے۔ یہاں سے پنشن یاب ہو کر ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ میں آنریری سیکرٹری کی اہم خدمات انجام دیتے رہے۔ مشہور مسلم لیگی لیڈر نواب اسمٰعیل خاں مرحوم انہی کے صاحب زادے تھے۔

شیفتہ کی دونوں صاحب زادیاں نواب شاہ جہاں بیگم والیہ بھوپال کے بھتیجوں سے بیاہی گئی تھیں۔

احباب

شیفتہ کی وسیع المشربی اور ہمہ ذوق نے ان کا دائرہ احباب بہت وسیع کر دیا تھا۔ امراء، روساء، علماء، صوفیاء، ادباء، شعراء سبھی اُن کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اور

علم وفضل کے جوہر شناس ان سے رشتہ مودت واخلاص قائم کرنا اپنے لیے موجب فخر سمجھتے تھے۔ خاص طور پر شعروادب کے حلقوں میں ان کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ سن ستاون کے ہنگامے سے پہلے شیفتہ کا قیام اکثر وبیش تر دلی میں رہتا تھا۔ ان کے گرد اہل کمال کا جھمگٹا ہوتا تھا۔ حکیم مومن خاں آزردہ، حکیم احسن اللہ خاں، مولوی امام بخش صہبائی، نواب ضیاء الدین احمد خاں نیرورخشاں، سید غلام علی خاں وحشت اور میر حسین تسکین ان کے احباب میں خاص تھے۔ یہ لوگ ہر ہفتے، باری باری، شیفتہ اور آزردہ کے دیوان خانوں میں جمع ہوتے اور داد سخن دیتے۔ آزردہ اور شیفتہ کے درمیان مراسم اتنے خوش گوار اور اس حد تک مخلصانہ تھے کہ شیفتہ گلشن بے خار میں لکھتے ہیں:۔۔وہ بہ اعتقاد من روزے کہ بے شرف مجالست ایشاں (آزردہ) بہ پایاں آید، داخل ایام عمر نیست۔'' اور اس یک دلی و یگانگی کا سبب ان دونوں کے مزاج و مذاق کا اتحاد اور علم وفضل کا اشتراک تھا۔

تصانیف

شیفتہ سے حسب ذیل تصانیف یادگار ہیں:

(۱) ترغیب السالک الٰہی احسن المسالک، جس کا فارسی نام برہ آورد ہے۔

(۲) لحن عراق

(۳) گلشنِ بے خار

(۴) دیوانِ فارسی

(۵) دیوانِ اردو

(۱) ترغیب المسالک الٰہی احسن المسالک۔ برہ آورد۔ یہ دراصل سفرنامہ حجاز ہے۔ جس میں ضمناً شیفتہ کے حالات اور ان کی علمی و مذہبی قابلیت کے نقوش ملتے ہیں۔ اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شیفتہ ایک شیوا بیان شاعر ہی نہیں، فارسی کے بہت بڑے انشا پرداز بھی تھے۔ یہ سفرنامہ شیفتہ کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔

(۲) لحن عراق شیفتہ کے ستاون فارسی رقعات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے انتقال سے تین برس پہلے ۱۲۸۳ھ میں مرتب کیا تھا۔ اور کلیات شیفتہ وحسرتی مطبوعہ نظامی پریس بدایوں میں شامل ہے۔ اس میں دس خط غالب کے نام ہیں۔ ساتھ آزردہ کے نام، سات نواب عبداللہ خان کے نام۔ تین مومن کے نام، تین حکیم احسن اللہ خاں کے نام۔ ایک مولانا فضل حق خیرابادی کے نام، ایک مولانا فضل اللہ خاں کے نام، ایک میر جھبو خاں کے نام، اور چوبیس خط ایسے ہیں، جن میں مکتوب الیہم کے ناموں کی صراحت نہیں کی گئی۔ یہ خطوط اگرچہ ذاتی اور نجی ہیں۔ لیکن ان میں بھی کہیں کہیں شعروادب اور علم وتصوف کے لطیف نکات آ گئے ہیں۔'' برہ آورد'' کی طرح ''لحن عراق'' بھی شیفتہ کی فارسی نثر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

(۳) **گلشنِ بے خار**۔ یہ شعرائے اردو کا تذکرہ ہے، جسے شیفتہ نے ۱۲۴۸ھ میں شروع کر کے ۱۲۵۰ھ میں ختم کیا۔ اس سے پہلے جو شعراء کے تذکرے لکھے جاتے تھے۔ ان کی حیثیت منتخب اشعار کی بیاضوں سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ جن میں شعراء کے مختصر حالات یا زیادہ صحیح لفظوں میں تعارف اور ان کے متعلق تذکرہ نگاروں کے ذاتی تاثرات کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ شیفتہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے اپنے تذکرے کو ان بیاض نما تذکروں یا تذکرہ نما بیاضوں سے ممتاز کیا اور شعری تنقید کے لیے زمین ہموار کی۔ اس اعتبار سے ہم ''**گلشنِ بے خار**'' کو اپنے تنقیدی ادب کی پہلی کتاب کہہ سکتے ہیں۔

شیفتہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے نقادِ سخن تھے۔ مولانا حالی، یادگار غالب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

''شعر کا جیسا صحیح مذاق ان کی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا، ویسا بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے۔ لوگ ان کے مذاق کو شعر کے حسن وقبح کا معیار جانتے تھے۔ ان کے سکوت سے شاعر کا شعر خود اس کی نظر سے گر جاتا تھا۔ اور ان کی تحسین سے اس کی

قدر بڑھ جاتی تھی''۔

مرزا غالب ان کی سخن سنجی و سخن فہمی کے معترف ہی نہیں، مداح بھی تھے۔

غالب بہ فن گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
نوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

اپنے ایک اور مقطع میں کہتے ہیں:

غالب ز حسرتی چہ سرائی کہ در غزل
چوں او تلاش معنی و مضموں نہ کردہ کس

غالب اور حالی ہمارے سپہر سخن کے آفتاب و ماہتاب ہیں دونوں کی تنقیدی نظر بڑی تیز اور باریک بیں تھی۔ شیفتہ کے متعلق جو رائیں انہوں نے ظاہر کی ہیں۔ شیفتہ کے تذکرے اور فارسی و اردو کلام سے ان کی حرف بہ حرف تصدیق ہو جاتی ہے۔ اور شعراء کے کلام پر جو بے لاک تنقید شیفتہ نے کی ہے، اس سے ان کی ژرف نگاہی اور معیار سخن کا اندازہ ہوتا ہے۔ چند مشہور شاعروں کے کلام پر ان کی رائیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

آتش کے متعلق لکھتے ہیں: ''درنکوئی طبعش سخن نسیت''

انشاء کے بارے میں کتنی جچی تلی رائے دی ہے: ''دیوانے دارد مشتمل پر اصناف سخن و ہیچ صنف را بہ طریقہ راسخہ شعراء نہ گفتہ اما در شوخی طبع و جودت ذہن او سخنے نیست۔''

جرات کی معاملہ بندی کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں: ''سخن بہ مضامینے کہ میانِ عاشق و معشوق مہ گزرد، مہ کرد، طبعِ رسا داشت۔''

شاہ حاتم کے متعلق کتنی بلیغ بات کہی ہے: ازتازہ خیالانِ قدیم است۔''

خواجہ میر درد کے کمالِ فن کا اعتراف دیکھیے: فکرش صحیح و نظمش فصیح۔ گفتارش از رکاکت و اغلاط پاک و در جنب گل ہائے خیالش گل ہائے چمن ہم از خس و خاشاک۔

دیوانش از نظر گذشت از اشعار پر کن خالی است و اکثر ابیات باعلو معانی وسمو مضامین دل کش وعالی۔''

ذوق پر اظہار خیال اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا تھا: ''قوت مشقے کہ او راست، دیگرے را دیدہ نشد ومع ہذا رطب ویابس کہ شیوہ بسیار گویان است در کلامش کم تر و بر جمیع اصناف سخن قدرت تمام دارد۔ بالجملہ از شعرائے مسلم ومقرر است۔''

سودا کے متعلق مشہور تھا کہ وہ قصیدے کے بادشاہ ہیں۔ غزل ان کے بس کی نہیں۔ شمس العلما محمد حسین آزاد نے بھی آبِ حیات میں کم وبیش یہی رائے ظاہر کی ہے۔ لیکن شیفتہ نے جن الفاظ میں اس مہمل خیال کی تردید کی، وہ آج کل کے نقاد کی تراوش قلم معلوم ہوتی ہے: ''وآں کہ بین الانام شہرت پذیر است کہ قصیدہ اش بہ از غزل است، حرفیست مہمل۔ بزعم فقیر غزلش بہ از قصیدہ است وقصیدہ اش بہ از غزل۔''

جس زمانے میں تذکرہ گلشنِ بے خار مرتب کیا گیا ہے، غالب کمال کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ جن غزلوں نے غالب کو غالب بنایا ہے اُن میں سے اکثر اس وقت تک شاعر کے ذہن سے صفحۂ قرطاس پر منتقل نہ ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود شیفتہ جانتے تھے کہ یہ ''مہمل گو'' قدرت کی طرف سے شاعری کی کتنی غیر معمولی صلاحیتیں لے کر آیا ہے۔ مرزا کے متعلق رقم طراز ہیں: پایہ اش از فحول استاداں کم نسیت۔ غزلش شوں غزل نظیری بے نظیر وقصیدہ اش شوں قصیدہ عرفی دل پزیر۔ مضامیں شعرے را کما حقہ، می فہمد وبجمیع نکات ولطائف پے می برد بالجملہ چنیں تکتہ سنج نغز گفتار کمتر مرئی شد۔''

مصحفی کے کلام پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ہر چند بہ تقاضائے شیوہ بسیار گویاں اکثر کلامش بر کم پایہ واز لطافت حالی است اما گزیدہ اشعار دو نہایت رقبت والا ومرتبت عالی است۔''

مومن کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں: ''بزم فقیر بہ قوت شاعری ایشاں کم کسے برخاستہ۔ در ہر جنس سخن آں چناں مکانتے وافی دارد کہ کسے دادر یک صنف ہم میسر نیامدہ۔''

خدائے سخن میر تقی میر کے کلام پر کس ایجاز و بلاغت کے ساتھ رائے زنی کی ہے: لاسیما در غزل سوائی و مثنوی گوئی گوئے سبقت می رباید۔''

ناسخ کی شاعری اس سے بہتر رائے کی مستحق نہیں ہوسکتی تھی: ''والا مایہ، عالی پایہ، سیراب بے مثل و مثال۔''

پودے تذکرے میں صرف نظیر اکبر آبادی ایک ایسا شاعر ہے۔ جس پر شیفتہ کی رائے خلاف واقعہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک ''ظالمانہ'' ہے۔ لکھتے ہیں: ''اشعار بسیار دارد کہ رزبان سوقیین جاریست و نظر طہ آں ابیات در اعداد شعرا نشاید شمرد۔''

لیکن اس کی وجہ نظیر سے کوئی شخصی بغض نہیں کہ اس کی ذات کے متعلق اوپر لکھ آئے ہیں: گویند کہ نظیر در حلم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار است۔'' بلکہ نظیر کا ''عوامی شاعر'' ہونا ہے۔ جو اس ماحول میں شیفتہ کے سے مہذب اور شائستہ رئیس کے لیے واقعی ناقابل برداشت تھا۔

بہر حال ''گلشن بے خار'' ہمارے ادبی سرمائے میں شامل ہے جس کی قدر و اہمیت یہ دیکھ کر اور بڑھ جاتی ہے کہ شیفتہ نے اسے تیس سال کی عمر میں مکمل کر لیا تھا۔

(۴) دیوان فارسی شیفتہ کا فارسی دیوان سات قصیدوں، متعدد قطعوں اور غزلوں پر مشتمل ہے اور غالباً سب سے پہلی اور آخری بار نظامی پریس بدایوں میں چھپا ہے۔ شیفتہ نے قصائد میں عرفی اور غزلوں میں نظیری کی پیروی کی ہے۔ نظیری کے متعلق کہتے ہیں:

جز حسرتی بہ پایہ او کس نمیرسد
در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسید

مولانا حالی مرحوم فرماتے تھے کہ اواخر عمر میں نواب صاحب کو فکر سخن کا اتفاق ہوتا، تو خواجہ حافظ کی روش پر کہتے تھے، بالفاظ دیگر زندگی کے آخری حصے میں تغزل پر تصوف غالب آ گیا تھا۔

شیفتہ کے فارسی کلام میں سلاست و روانی، متانت و سنجیدگی اور لطافت و شیرینی پائی جاتی ہے۔ معنی کی دل کشی اور اسلوب بیان کی تازگی اس پر مستزاد ہے۔ زیل میں ان کے چند شعر نقل کیے جا رہے ہیں، جن سے آپ فارسی شعر گوئی میں ان کے مرتبے کا کچھ نہ کچھ اندازہ کر سکیں گے۔

تو اے افسردہ جاں زاہد، یکے در بزم رنداں شو!
کہ بینی خندہ بر لب ہا و آتش پارہ در دل ہا

در دہر، جز خرابات، جائے دگر نیابی
آنجا کہ خندہ آید بر پادشہ گدا را

بروز حشر ندانم چہ عذر خواہد گفت
کسے کہ دوست ندارد جمالِ زیبا را

بکنجِ، صبح دم، صاحب دلے می گفت، بازاری
بہ عصیاں ہائے پنہاں بخش طاعت ہائے رسوا را

یا حسنش ایں جنوں کہ تو بینی تحمل است
ناصح! ملامتے مکن ایں ناشکیب را

بستند طلسم دہر فانی از نقشِ خیالِ باطلِ ما

ما باز ماندۂ لب ساقی چشیدہ ایم
شورش بہ قدر نشہ کجا کردہ ایم ما

از دام ما، چہ دم زنی اے صیدِ مختصر
عنقا شکار گشت و رہا کردہ ایم ما

کام در بخشِ ہوس آمدہ از عشق مجو
عیش مخصوص بہ کفرا است، بہ ایماں مطلب
از غم زیست بجاں آمدہ ام
یا رب! آں قاتلِ بے رحم کجاست
جائے من تنگ بہ ہر جائے ز رسوائی من
جز خرابات کہ آنجا ہمہ را جائے ہست
چشم بد دور از جمالش
می بینم و طاقتِ نظر نیست
اگرچہ غیر زمن ہر چہ گفت، گفت دروغ
ولے خوشم کہ ترا رشک در دل افتادہ ست
فگندہ است سپہرم بہ بند صیادے
کہ گاہ دام نگسترد و در کمیں نہ نشست
پردہ داری چو نہ شد بت کدہ بد نام افتاد
ورنہ پوشیدہ بہ صد جابت و زنارے ہست
زباں زبانہ فشان و نفس شرر ریز است
مرا گناہ نہ باشد مئے مغان تیز است
یک دیدنِ تو لذت عمرم بہ باد دار
اے وائے آں کساں کہ بوصلِ تو خُو کنند
شکایت فزوں می کند دوستی
ولیکن بشرطیکہ بے جا بود
چناں زدم بہ صنم خانہ نعرۂ تکبیر
کہ بت پرست زخود رفت و بت بہ ہوش آمد

خراب حوصلہ آں خرابہ نو شانم
کہ سم بہ بادہ کشید ند و ہو شیار انند
زمرہ، مصلحتاً، نیز بہ رندی گیرو ند
پیشہ زہد، گرو ہے، یہ ریا نیز کنند
شیوہ شکوہ نکویم کہ صواب است اما
ایں خطائیست کہ ارباب وفا نیز کنند
اے حسرتی! امشب کہ بدست آمدہ آں شوخ
ہاں سخت در آغوش بکش، تنگ ببر گیر!
جواب طعنہ حرمان و طنز ناکامی
ہمیں بس است کہ معشوقہ ناز نیں دارم
حسرتی، شعر و غزل من نشناسم، آرے
نمکم ہست گہے بر دل افگار زنم
دوش باغیر ہمی رفت، مرا دید و رمید
مصلحت دیدم و من نیز تغافل کر دم
تو در اُمید بلندی و بیم پستی باش
زما مپرس کہ مانے بلند ونے پستیم
فتد بہ خاک و شود خاک و گل ازاں روید
تکہ ز روئے تو گر جانب ستارہ کنم
چہ خوشست یا تو بزمے، بہ نہفتہ ساز کردن
درِ خانہ بند کردن، سر شیشہ باز کردن
مکن از شراب منعم کہ نہ از ہجوم مستی است
کہ گرفتہ ام ز شوخی لب نازکت بہ دنداں

برکش نقاب و طرہ بہ افشان و مے بنوش
بر دار گر کشند نگوئیم راز تو
شب در آمد زدرم سرخوش و خواب آلودہ
سینہ بکشودہ و دامن بہ شراب آلودہ
در انجمن عشق ترا نیست گزارے
تو لذت آہ پس دیوار چہ دانی

(۵) دیوان اردو۔ شیفتہ کے اردو دیوان میں ایک سو اڑسٹھ غزلیں ہیں اور بارہ متفرق اشعار۔ یہ دیوان سب سے پہلے ۱۸۵۴ء میں مطبع دبدبہ سکندری میرٹھ سے شائع ہوا۔ اس وقت شیفتہ بہ قید حیات تھے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۸۶ء میں۔ شیفتہ کے انتقال کے سترہ سال بعد۔ مطبع رضویہ۔ دھلی میں چھپا۔ پھر ۱۹۰۶ء میں مولانا حسرت موہانی نے دیوان شیفتہ کا ایک جدید ایڈیشن اپنے مختصر سے دیباچے کے ساتھ، احسن المطابع۔ علی گڑھ سے چھپوا کر شائع کیا۔ مولانا صلاح الدین احمد نے دیوان شیفتہ کے ایک اور ایڈیشن کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ غالباً مطبع مجتبائی سے شائع ہوا۔ لیکن یہ ایڈیشن میری نظر سے نہیں گزرا۔ نہ میں نے اس کا کہیں اور ذکر پڑھا۔ اس کے بعد ۱۹۱۶ء میں شیفتہ کے فرزند اصغر: نواب اسحاق خاں مرحوم کی فرمائش سے مطبع نظامی بدایوں نے ایک اعلیٰ درجے کا ایڈیشن شائع کیا۔ جس میں شیفتہ کا فارسی دیوان اور فارسی رقعات بھی شامل تھے اور سب سے آخر میں اکدامی پنجاب۔ لاہور سے مولانا صلاح الدین احمد صاحب کے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ، دیوان شیفتہ کا ایک خوبصورت اور صحیح تر ایڈیشن شائع ہوا۔ جس میں شیفتہ کا مرثیہ دھلی "نغان دھلی" سے لے کر شامل دیوان کیا گیا۔

میں نے زیرِ نظر نسخے کی ترتیب و تصحیح میں، جہاں دیوان شیفتہ کے متذکرہ

ایڈیشنوں سے استفادہ کیا ہے، وہاں رسالہ معارف اعظم گڑھ (بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۴ء) سے شیفتہ کا وہ غیر مطبوعہ کلام بھی اس میں شامل کرلیا ہے۔ جو مولوی کلب علی خاں فائق رام پوری نے شیفتہ کے قلمی دیوان محلوکہ رضا لائبریری۔ رام پور سے نقل کر کے اپنے مفید مقالے کے ساتھ شائع کرایا تھا۔ اس کے علاوہ تذکرہ ''گلشنِ بے خار'' سے شیفتہ کے وہ اشعار بھی چن لیے ہیں، جنہیں دیوان کی نظر ثانی کرتے وقت شیفتہ نے قلم زد کر دیا تھا۔ اس اعتبار سے اگر دیوان شیفتہ کے زیر نظر ایڈیشن کو سابقہ تمام ایڈیشنوں کے مقابلے میں جامع اور مکمل کہا جائے تو یہ کوئی بے جا یا خلاف واقعہ بات نہ ہوگی۔

اُردو کلام پر ایک نظر

اس مختصر سے تمہیدی مضمون میں شیفتہ کے کلام پر تفصیلی نظر ڈالنے کی گنجائش نہیں۔ اس لیے ان کے فن کا سرسری سا تجزیہ کر کے ہم آپ کے اور شیفتہ کے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔

اگر شیفتہ کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے، تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میر و ناسخ اور غالب و مومن کی روشوں سے ہوتے ہوئے اپنے انفرادی امتیازی رنگ سخن تک پہنچے ہیں۔

میر خدائے سخن تھے اور ہر بڑا شاعر ان کی تقلید کو اپنے کمال کی سند سمجھتا تھا۔ شیفتہ نے بھی ایک جگہ کہا ہے:۔

نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ، لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

اور یہ صرف قول ہی قول نہیں، ان کے بعض اشعار میں واقعی معر کی سی خستگی و برشتگی پائی جاتی ہے۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیے:۔

اظہار عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ

یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا
دل لگانے کا ارادہ پھر ہے شاید شیفتہ
ایسی حسرت سے جو ہے گزری ہوئی الفت کی یاد
مت چھیڑ کہ یار سے کدا ہوں
اے مرگ! میں آپ مر رہا ہوں
مرنے کا مرے نہ ذکر کرنا
قاصد! وہ بہت الم کریں گے
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگی سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

جس زمانے میں شیفتہ نے شعر کہنا شروع کیا ہے۔ ناسخ کی شاعری کا بڑا زور تھا۔ اوروں کا تو ذکر ہی کیا، غالب و مومن جیسے انفرادیت پرست شاعروں نے بھی ابتداء ناسخ کے رنگ میں مسلسل شعر کہے ہیں، اس لیے اگر شیفتہ کے اردو کلام میں ایک نہیں کئی غزلیں، ناسخ کی تقلید میں ملتی ہیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جن غزلوں کے مطالعے ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ وہ پوری کی پوری ناسخ اسکول کے تتبع میں کہی گئی ہیں:

رات، واں گل کی طرح سے جسے خنداں دیکھا
صبح، بلبل کی روش، ہمدم افغاں دیکھا

☆

وہ پری وش عشق کے افسوں سے مائل ہو گیا
مفت میں مشہور میں لوگوں میں عامل ہو گیا

☆

صبح ہوتے ہیں، گیا گھر مہ تاباں میرا

پنجہ خور نے کیا چاک گریباں میرا

کچھ تو شیریں کام کر تلخی کش بیداد کو
دے کفن تو عشق شیریں باف کا فرہاد کو

اور اُلفت بڑھ گئی اب اس ستم ایجاد سے
اک نئی لذت جو پائی دل نے ہر بیداد سے
شب، ہم نے لیے خواب میں زنجیر کے بوسے
دیں گے وہ مگر زلف گرہ گیر کے بوسے

گلے پر میرے، نے دشمن کے وہ شمشیر پھرتی ہے
نہ یاں تدبیر چلتی ہے نہ واں تقدیر پھرتی ہے

کیوں نہ مجھ کو مرض یاس کی شدت ہو جائے
ملک الموت بھی جب بہر عیادت ہو جائے

ہے ستم واقف ہو میرے حال کی تغیر سے
بوالہوس کہتے ہو پھر اک اہ بے تاثیر سے

دیکھیے: غالب کا اسلوب سخن ان اشعار میں صاف نظر آ رہا ہے:۔

نما نما ہے نہایت خلافِ شیوۂ عشق
غلط ہے شوق ہمیں گریہ ہائے رنگیں کا

☆

کب ہمٔن حاجت پرہیز ہوئی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد اایا

☆

نہ دیا ہائے مجھے لذت آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی، تو جی بھر آیا

☆

آج ہی تیری جگہ کچھ سینہ و دل میں نہیں
مثل تیر غمزہ ظالم دل نشیں تو کب نہ تھا؟

☆

بچتے ہیں اس قدر جو ادھر کی ہوا سے ہم
واقف ہیں شیوۂ دل شورش ادا سے ہم

☆

فصل گل ہے مے کدے کا ساز و ساماں چاہیے
توبہ ژولیدہ زیب طاق نسیاں چاہیے

☆

ں وہ موشگافیاں کہ نہ پوچھ
یہ نکتہ بس ہے کہ آفت ہے نکتہ واں کے لیے
اثر اگرچہ بنا بہر ناز دل کش دوست

مگر کچھ اپنی بھی آہ جگر فشاں کے لیے

اور مومن کے انداز خاص میں تو شیفتہ نے ایسے ایسے شعر کہے ہیں کہ اگر انہیں کلام مومن میں شامل کر دیا جائے، تو تمیز مشکل ہو جائے۔ چند شعر، بطور تمثیل، نقل کیے جاتے ہیں:

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طول امل جواب ہے زلفِ دراز کا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں رویا کیا

ان سے نازک کو کہاں گرمی صحبت کی تاب
بس کلیجا نہ پکا، اے طمع خام! اپنا

دامن تک اس کے، ہائے: نہ پہنچا کبھی وہ ہاتھ
جس ہاتھ سے کہ جیب کو دامن بنا دیا

لگتی نہیں پلک سے پلک جو تما شب
ہے ایک شعبدہ مژہ نسیم باز کا

اس سے میں شکوہ کی جا، شکر ستم کر آیا

کیا کروں؟ تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزم دشمن میں نہ آؤں کیوں کر؟

کیوں کر مجھے خط رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ہر چند کہ ہے آپ سے ملنے کی تمنا
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

شیفتہ کے اسلوب سخن کی امتیازی خصوصیتیں بقول مولانا صلاح الدین احمد اس کی صفائی، شستگی اور لطافت ہے۔ شیفتہ نے اپنے ایک مقطع میں اس کی صراحت بھی کر دی ہے:

وہ طرز شعر ہم کو خوش آتی ہے شیفتہ
معنی شگفتہ، لفظ خوش، انداز صاف ہو

لیکن وہ معنی آفرینی کے ساتھ ساتھ متانت اسلوب کو بلند شعر کا جزو لاینفک قرار دیتے ہیں:۔

شیفتہ کیسے ہی معنی ہوں، مگر نامقبول
اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

اور صنعت گری کی بجائے سادہ بیانی کو شعر کا اصلی معیار سمجھتے ہیں:

شیفتہ سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

چنانچہ انہی اجزائے ترکیبی سے شیفتہ نے اپنے فن کی ترکیب وتشکیل کی اور وہ ایک ایسی روش خاص کے بانی قرار پائے، جس کی مثال ہمیں ان کے اسلاف و اخلاف کے کلام میں کہیں نہیں ملتی۔ یہاں ہم شیفتہ کے کچھ شعر، نمونے کے طور پر، آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ کیا اسالیب و معانی کے ان پہلوؤں میں، اردو کا کوئی شاعر، ان کے قریب نظر آتا ہے:

تقویٰ مرا شعار ہے، عصمت سرشتِ دوست
پھر مجھ سے کون سا ہے سبب احتراز کا

☆

اچھا! جو اس کو سونگھے تو آجائے اس کو غش
اچھا اثر ہے زلفِ معنبر کی طیب کا

☆

شعلہ رو یار، شعلہ رنگ شراب
کام یاں کیا ہے دامنِ تر کا

☆

دو قدم یاں سے وہ کوچہ ہے، مگر
نامہ بر صبح گیا، شام آیا

☆

مجھ سے وہ صلح کو اس شان سے آئے گویا
جنگ کے واسطے دارا سے سکندر آیا

☆

لب لعل کو کس کے جنبش ہوئی

ہوا میں ہے کچھ رنگ عتاب کا

ہم طالب شہرت ہیں، ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا، سحر آہن بنا دیا

کچھ آج ان کی بزم میں بے ڈھب ہے بندوبست
آلودہ مے سے دامنِ بادِ صبا نہ تھا

وہ آہ تار و پود ہو جس کا ہوائے زلف
کرتی ہے عنبری و صبائی تمام شب

اسباب عیش یہ جو مہیا ہے شیفتہ
کیا پردہ تم سے، آنے کی ان کے خبر ہے آج

عشق سے کیا ہے تجھے، شکل تری کہتی ہے
حسنِ تقریر کو آہیں دمِ تقریر نہ کھینچ

گاؤں بھی ہم کو غنیمت ہے کہ آبادی تو ہے

آئے ہیں ہم سخت پر آشوب صحرا دیکھ کر

ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا
لے گیا شوق غلط کار ترے کوچے میں

طوفان نوح لانے سے اے چشم! فائدہ؟
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

یاں نفاں سے لہو ٹپکتا ہے
میں نوا سنج شاخ سار نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ سادہ بھی ہوئے
باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں
شکوہ آئینِ محبت میں ہے ایجاد لطیف
نسخہ اصل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں

تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حجور
اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

افسردہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہے نہ لذت گناہ میں

☆

دل دیں گے، مال دیں گے، مگر جان سو بخیر
بے ہودہ ہے وہ شخص، جو سرگرم لاف ہو

☆

ناصحو! یوں بھی تو مر جاتے ہیں
عشق سے مجھ کو ڈراتے کیوں ہو؟

☆

کیا کیا بیان کرتے ہیں نادر نکات ہم
لیکن جب انجمن میں کوئی نکتہ داں نہ ہو

☆

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

☆

نغمہ و مے سے مجھے کیا کام تھا
ان کی صحبت میں یہ آفت ہو گئی

☆

تم کو اندیشہ گرفتاری
یاں توقع نہیں رہائی کی

☆

اس کے نیرنگ سے ٹپکتا ہے
کہ عدم سے بھی پیشتر کچھ ہے

☆

عشق سے اور بڑھی ہائے قساوت دل میں
غیر کو رنج ہوا ہے تو ہمیں راحت ہے

☆

مجھے افعی زلف نے کاٹ کھایا
کوئی شخص اس کی دوا جانتا ہے؟

☆

خجل ہوں آپ میں بے وقت اپنے آنے سے
تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے

☆

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو، آئے کرے شکار مجھے

☆

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں، پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کے لیے

☆

ایسی رغبت سے کرے قتل، گماں کا ہے کو تھا
شیفتہ اس کو تو لو تم سے محبت نکلی

☆

ان سطور کو میں شیفتہ کا وہ قطعہ بند نقل کیے بغیر ختم نہیں کر سکتا جو میرے نزدیک اردو تغزل اور معاملہ بندی کی آبرو ہے۔

کہا کل میں نے: اے سرمایہ ناز؟
تلون سے ہے تم کو مدعا کیا؟
کبھی مجھ پر عتاب بے سبب کیوں؟
کبھی بے وجہ غیروں سے وفا کیا؟
کبھی محفل میں وہ بے باکیاں کیوں؟
کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا؟
کبھی تمکینِ صولت آفریں کیوں؟
کبھی الطافِ جرات آزما کیا؟
کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں؟
کبھی یہ غمزہ ہائے جان فزا کیا؟
کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی
کبھی کہنا کہ ”یہ تم نے کہا کیا؟“

☆

خواہاں ہوں، بوئے باغ تنزہ شمیم کا
یا رب! ادھر بھی بھیج کے جھونکا نسیم کا

تیرے گدا کو سلطنت جم سے کیا؟ کہ ذوق
ہے کاسہ شکستہ میں، جام دہ نیم کا

نیرنگ جلوہ، با رقصہ ہوش سوز ہے
کیا امتیاز رنگ سے کیجئے، شمیم کا

تیری نسیم لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا

واجب کی حکمت آئے گی ممکن کی عقل میں؟
کتنا دماغ ہے خلل اگیں حکیم کا

دقت سے پہلے عجز، سلامت کیراہ ہے
کیسا سپاس دار ہوں عقلِ سلیم کا

میری فنا ہے، مشعلہ محفل بقا
پروانہ ہوں، میں پرتہ شمع قدیم کا

گر تیرے شوق میں ہیں یہیں بے قراریاں
لے لوں گا بوسہ پایہ عرش عظیم کا

اطاعت اگر نہیں، تو نہ ہو، یاس کس لیے؟
وابستہ سبب ہے درم کب کریم کا

جس وقت تیرے لطف کے دریا کو جوش آئے
فوارۂ، نیساں ہے ذمانہ جحیم کا

اے شیفتہ، عذاب جہنم، سے کیا مجھے؟
میں امتی ہوں، نار و جناں کے قسیم کا

☆

یہ فیضِ عام شیوہ کہاں تھا نسیم کا؟
آخر، غلام ہوں میں تمھارا، قدیم کا
پیمانِ ترکِ جاہ لیا، پیرِ دیر نے
پیمانہ کے بادۂ عنبر شمیم کا
کیا ڈھونڈتی ہے وُم کہ آنکھوں میں قوم کی؟
خلد بریں ہے، طبقۂ اسفل جحیم کا
اس شوخ کھ ادا سے نہ آئی موا فقت
کیوں کر گلہ نہ ہو مجھے طبعِ سلیم کا؟
شکوے یہ اب جو ہوتے ہیں باہم، نئے نہیں
انداز، ہم میں ان میں، یہی ہے قدیم کا
اس وقت ہم گنے گئے احبابِ خاص میں
آیا جو تذکرہ کبھی لطفِ عمیم کا
بدمستیاں کبھی، کبھی مستوری و عفاف
دستور ہے، طبیعتِ نا مستقیم کا
اس رشکِ گل کے بسترِ گل سے، ہے احتراز
ممنون ہوں عدو کے مزاجِ سقیم کا
اے جانِ بے قرار، ذرا صبر چاہیے
بے شک، ادھر بھی آ ئے گا جھونکا نسیم کا
جس کی سرشت صاف نہ ہو، آدمی نہیں
نیرنگ و عشوہ کام ہے دیوِ رجیم کا
اب جستجو ہے ان کو ہماری، تو کیا حصول

باقی نہیں اثر بھی عظام رمیم کا
عاشق بھی ہم ہوئے، تو عجب شخص کے ہوئے
جو ایک دم میں خون کرے سو ندیم کا
ہم نے کیے قواعد وحشت جو منضبط
اہل جنوں میں ہم کو لقب ہے حکیم کا
ہے کارنامہ جب سے بیاض اپنی شیفتہ
تقویم سال رفتہ ہے، دیواں کلیم کا
جب سے عطا ہوا ہمیں خلعت حیات کا
کچھ اور رنگ ڈھنگ ہوا کائنات کا
شیشہ اتار، شکوے کو بالائے طاق رکھ
کیا اعتبار، زندگی بے ثبات کا
لڑتے ہے جب رقیب سے، کرتے ہو مجھ سے صلح
مشتاق یہاں نہیں کوئی اس التفات کا
گر تیرے تشنہ کام کو دے خضر، وقت مرگ
پانی ہو خشک، چشمہ آب حیات کا
یاں خار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں، عالمِ شہوم ہے آئینہ ذات کا
کہتے ہیں جان جانتے ہیں بے وفا مجھی
کیا اعتبار ہے انھیں دشمن کی بات کا
واعظ، جنوں ذدوں سے نہیں باز پرس حشر
بس آپ فکر کیجیے اپنی نجات کا
جوشِ سرشک خوں کے سبب سے، دم رقم

نامہ نہیں رہا، یہ ورق ہے برات کا
اے مرگ، آ، کہ میرا بھی رہ جائے آبرو
رکھا ہے، اس نے سوگ عدو کی وفات کا
ایسے کے آگے شیفتہ کیا چل سکے؟ جہاں
احسان ایک عمر رہے، ایک رات کا

کیا فائدہ نصیحت ناسود مند کا؟
کیا خوب، پند گو بھی ہے محتاں، پند کا
جب میں نہیں پسند، تو پھر اور آچکے
عاشق ہوں، اس کی خا طر مشکل پسند کا
اے باد صبح، تا بہ کجا اھتزاز گل؟
گوشہ الٹ دے، یار کے منہ سے، پرند کا
اس ماہوش کو غیر سیہ رو سے کام کیا؟
ہے فیض، اپنے اختر بخت نژند کا
اس کوچے میں ہے عزت خسرو، گدا سے کم
کیوں ناز مشتمند سہی ارجمند کا؟
نالہ تو با رسا نہیں، کیوں کر گلہ کروں؟
میں شکوہ سنج ہوں، تیرے کاخ بلند کا
دیوان کو ہمارے، بتوں کے نگاہ میں
اے شیفتہ، وہ رتبہ ہے، جو بیک و زند کا

☆

کچھ انتظار مجھ کو نہ مے کا، نہ ساز کا
ناچار ہوں کہ حکم نہیں کشف راز کا

لگتی نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہے ایک شعبدہ، مژۂ نیم باز کا

دشمن، پئے صبوح، جگاتے ہیں یار کو
یہ وقت ہے نسیم سحر، اہتزاز کا

ایمن ہیں اہل جذبہ کہ رہبر ہے ان کے ساتھ
سالک کو ہے خیال، نشیب و فراز کا

چھٹنے کے بعد بھی ہے، وہی دل شگفتگی
کیا خوب جال ہے، نگہ جاں نواز کا

تقوٰی مرا شعار ہے، عصمت سرشت دوست
پھر مجھ سے کون سا ہے سبب احتراز کا؟

بارے، عجیب بات تو پھیلی جہان میں
پایا کسے نے، گو، ثمر افشائے راز کا

ساقی کے ہیں اگر یہیں الطاف، کیا عجب
ارض و سما میں ہوش نہ ہو امتیاز کا

پیر مغاں نے، رات کو، وہ کچھ دکھا دیا
ہرگز رہا نہ دھیان بھی حسن مجاز کا

دیتا ہے داغِ رشک، پرندِ سپہر کو
جلوہ، تمھارے معجزِ گو ہر طراز کا

پانی وضو کو لاؤ، رخِ شمع زرد ہے

مینا اٹھاؤ، سقف اب آیا نماز کا
یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طولِ امل جواب ہے، زلف دراز کا
جورِ اجل کو شوخیِ بے جا کہا کیا
تھا محو شیفتہ جو کسی مست ناز کا

☆

نہ اس زمانے میں چرچا ہے دانش و دیں کا
نہ شوق، شعرِ تر و بزلہ ہا ئے رنگیں کا
شمیم زلف یہی ہے، تو وحشت دل نے
کب انتظار کیا موسم ریاحیں کا؟
بنات نعش نے کس واسطے بٹھا رکھیں؟
نہیں ستارہ گہر، خاندان پرویں کا
ازل میں دیکھتے ہی ہم سخن کو، سمجھے تھے
کہ مشتری نہیں اس گوہرِ نو آئیں کا
نما نما ہے، نہایت خلاف سیوۂ عشق
غلط ہے شوق ہمیں گریہ ھائے رنگیں کا
وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے
نہ رنگ بھی متغیر ہو اہل تمکیں کا
ہزار مرتبہ فرھاد جانِ شیریں دے
وہی ہے حق، نمک عشوہ ہائے شیریں کا
عجیب حال میں ہے شیفتہ، معاف کرو!
جو کچھ قصور بھی ہو اُس غلامِ دیریں کا

☆

ہائے اس برق جہاں سوز پہ آنا دل کا
سمجھے جو گرمیِ ھنگامہ، جلانا دل کا

ہے ترا سلسلہء زلف بھی کتنا دل بند
پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا، چھٹانا دل کا

دیکھنے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیوں کر؟
نہ سنا تم نے کبھی ہائے، فسانا دل کا

ہم سے پوچھیں، کہ اسے ڈھیل میں دھوئی ہے عمر
کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا

عاقبت، چاہ ذان میں خبر اس کی پائی
مدتوں سے نہیں لگتا تھا ٹھکانا دل کا

کس طرح دردِ محبت، میں جتاؤں اس کو؟
بھید لڑکوں سے نہیں کہتے ہیں، دانا دل کا

ہم یہ سمجھے تھے کہ آرام سے تم رکھو گی
لائیے، تم کو ہے منظور ستانا دل کا

ہم بھی کیا سادے ہیں، کیا کیا ہیں توقع اس سے
آج تک جس نت ذرا حال نہ جانا دل کا

جلوہ گاہ غم و ژادیِ دل و ژادی کم یاب
کیوں نہ ہو شکوہ سرا، ایک زمانا، دل کا؟

شکل، مانند پری اور نہ افسونِ وفا
آدمی کا نہیں مقدور، بجھانا دل کا

شیفتہ، ضبط درد، ایسی بھی کیا بے تابی؟
جو کوئی ہو، تمہیں احوال سنانا دل کا!

ہم پر ہے التفات، ہمارے حبیب کا
گیرا، مگر، نہیں ہے نفس عندلیب کا!
اب وہ ہے جلوہ ریز لباسِ سپاس میں
جو عمد کودکی میں گلہ تھا، ادیب کا
اچھا! جواس کو سو نگھے تو اَ جائے اُس کو غش؟
اچھا اثر ہے زلف معنبر کی طیبت کا!
تیری گلی سے آگے نہ ہرگز ہوا چلے
کوچے سے تیری پاؤں نہ آٹھے غریب کا
مصروف ہے بہت وہ ہمارے علاج میں
ہم بھی ذرا علاج کریں گے طبیعت کا
تسلیم سے وفاق سے ہے اتفاق
نے چرخ کا گلہ نہ گلہ ہے نصیب کا
ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں کیا کریں؟
اس بزم میں ہے دخل سراسر رقیب کا
ہو جائے کاسہ لیس چگرفان ہے کدہ
جس کو کہ اچتیاق ہے حال عجیب کا
سنتے ہی نام دشمن صد سالہ ہو گیا
پوچھا جو مجھ سے نام کسی نے جیب کا

اس رشک کل نے لی ہے جو بلبل تو شیفتہ
دیکھے چمن میں شور کوئی عندلیب کا

محمد ہوں میں جو اس ستم گر کا
ہے گلہ اپنے حال ابتر کا
حال لکھتا ہوں جان مضطر کا
رگ بسمل ہے تار مسطر کا
آنکھ پھونے سے تیری مجھ کو ہوا
گردش دہر دور ساغر کا
شعلہ دو یار شعلہ رنگ شراب
کام یاں کیا ہے دامن تر کا
شوق کو آج بے قرار دی ہے
اور وعدہ ہے روز محشر کا
نقش تسخیر غیر کو اس نے
خوں لیا تو رے کبوتر کا
میری نکامی سے فلک کو حصول؟
کام ہے یہ اُسی ستم گر کا
اُنے عاشق لکھا عدو کو لقب
ہائے لکھا رے مقدر کا
آپ سے لحظہ جاتے ہو
شیفتہ ہے خیال کسی گھر کا؟

سب حوصلہ جو صرف ہوا جور یار کا
مجھ پر گلہ رہا، ستم روا گار کا

تھا کیا ہجوم، بہر زیارت، ہزار کا
گل ہوگیا چراغہ ہمارے مزار کا

جور و جفا بھی غیر پر؟ اے یار دل شکن!
کچھ بھی خیال ہے دل امیدوار کا؟

کھلنے لگے ہیں، ازسر نو، غنچہ ہائے زخم
یہ فیض ہے، سبا کے دم مشک بار کا

گر چاہتے ہو، جامہ نہ ہو چاک، ناصحو!
منگوا دو پیرہن، مجھے اس گل عذار کا

ہر کوچے میں کھلی ہے جو دکان سے فروش
کیا فصل ہے شراب کی، موسم بہار کا؟

گھبرا کے، اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ، نالہ بے اختیار کا

وہ آتے آتے، غیر کے کہنے سے، تھم گئے
اب کیا کروں علان دل بے قرار کا

آزاچ ہے، عذاب دو عالم سے شیفتہ
جو ہے اسیر، سلسلہ تاب دار کا

اس بزم میں، ہر چیز سے کم تر، نظر آیا
وہ حسن کہ خورشید کے عہدے سے بر آیا

بے فائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا؟
اس راہ سے جاتا تھا، ہمارے بھی گھر آیا

کچھ دور نہیں ان سے کہ نیرنج بتا دیں
کیا فائدہ؟ گر آنکھ سے لختِ جگر آیا

گو کچھ نہ کہا، پر ہوئے دل میں متاثر
شکوہ جو زباں پر مری آشفتہ تر آیا

بے طاقتی، شوق سے، میں اٹھ ہی چکا تھا
ناگاہ! وہ، بے تاب، مری قبر پر آیا

بے قعر ہے مفلس، شجر کشک کی مانند
یاں درہم و دینار میں برگ و ثمر آیا

حال دل صد چاک پا کشتا ہے کلیجا
ہر پارہ، اک الماس کا ٹکڑا نظر آیا

دیکھے کہ جدائی میں ہے کیا حال، وہ بدطن
اس سواطے، شب، گھر میں مرے بے خبر آیا

دیا دیر ہے؟ اے ساقی گلفام! سحر ہے
کیا عذر ہے؟ اے زاہد خشک! ابر تر آیا

روداد میں ہیں شیفتہ کی، مختلف اقوال
پوچھیں گے، وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

جب رقیبوں کا ستم یاد آیا
کچھ تمھارا بھی کرم یاد آیا

کب ہمیں حاجت پرہیز پڑی؟
گم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

نہ لکھا خط کہ خط پیشانی
مجھ کو ہنگام رقم، یاد آیا

شعلہ زخم سے، اے صید فگن!
داغ آ ہوئے حرم، یاد آیا

ٹھہرے کیا دل؟ کہ تری شوخہ سے
اضطراب پئے ہم یاد آیا

خوبی بخت! کہ پیان عدو
اس کو، ہنگام قسم، یاد آیا

کھل گئی غیر سے الفت اس کی
جام مے سے، مجھے من یاد آیا

وہ مرا دل ہے دہ خود بینوں کو
دیکھ کر، آئینہ کم یاد آیا

کس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر؟
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

ایسے خود رفتہ ہو، اے شیفتہ، کیوں؟
کہیں اس شوخ کا رم یاد آیا؟

قبر پر، وہ بت گل فام آیا
بارے، مرنا تہ مرے کام آیا

دو قدم یاں سے وہ کوچہ ہے، مگر
نامہ پر سج گیا، شام آیا
مر گئے، پر نہ گیا رنج کہ وہ
گور پر آئے، تو آرام آیا
خیر باد، اے ہوسِ کام! کہ اب
دل میں شوقِ بتِ کود کام آیا
شمع کی طرح اٹھے ہم بھی، جب
دشمن تیرہ سر انجام آیا
جب مری آہ فلک پر پہنچی
تب وہ مغرور، سرِ بام آیا
جلد منگواۂ، شراب گل رنگ
شیفتہ، ساقی گل فام آیا

اس سے میں شکوے کچ جا، شکر سم کر آیا
کیا کروں؟ تھا مرے دل میں، سہ زباں پر اایا
قبر سے اتھ کے یہی دھیان مکرر آیا
وہ تو آئے نہیں، میں آپ میں کیوں کر آیا؟
وعدہ کس شخص کا؟ اور وہ بھی نہایت کچا
ہم بھی کیا خوب ہیں! سچ مچ ہمیں باور آیا
مجھ سے وہ صلح دو اس شان سے آئے، گویا
جنگ کے واسطے دارا سے، سکندر آیا
جذبہ شوق کی تاثیر، اسے کہتے ہیں

سن کے قاصد کی خبر، آپ وہ در پر آیا
خاک ہونے کا مرے، ذکر نہ آیا ہو کہیں
آج اس بزم سے کچھ غیر مکدر آیا
آڑ گئے ہوش کہ پیغام اجل ہے یہ جواب
کوچہ یار سے زخمی جو کبوتر آیا
دلِ صد چاک میں ہے کاکلِ شکیں کا خیال
کہ مجھے گریہ جو آیا تو معطر آیا
اے اجل؛ نیم نگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہل ماتم میں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا
اپنی محفل سے یہ آزردہ آزدہ اٹھایا مجھ کو
کہ منانے کے لیے آپ رے گھر آیا
نہ دیا ہائے مجھے لزت آزاد نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آ
آپ رتے تو ہیں پر جینے ہی بن آئے گی
شیفتہ ضد پہ جو اپنی وہ ستم گر آیا

☆

رات واں گل کی طرح سے جسے خنداں دیکھا
صبح بلبل کی روش ہمدم افغاں دیکھا
کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے مہجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا
میں نے کیا جانیے کس ذوک سے دی جاں دم قتل
کہ بہت اُس سے ستم گر کو پشیماں دیکھا

نہ ہوا یہ کہ کبھی اپنے گلے پر دیکھیں
یوں تو سو سو بار ترا خنجر براں دیکھا
اس طرف کو بھی نگہ تا سر مژ گاں آئی
بارے کچھ کچھ اثر گر یہء پنہاں دیکھا
پانی پانی ھوئے رقد پہ رے آ کے وہ جب
شمع کو نعش پہ پروا نے کی گریاں دیکھا

ق

غم غلط کرنے کو احباب ھمیں جانب باغ
لے گئے کل تو عجب رنگ گلستاں دیکھا
دور میں خاصیت اخگر سوزاں پائی
نسترن میں اثر خار مغیلاں دیکھا
ایک نالے میں ستم ھائے فلک سے چھوٹے
جس کو دشوار سمجھتے تھے سو آساں دیکھا
کون کہتا ھے کہ ظلمت میں کم آتا ھے نظر؟
جو نہ دیکھا تھا سو ھم نے شب ھجراں دیکھا
شیفتہ زلف پری رو کا پڑا سایہ کہیں
میں نے جب آپ کو دیکھا تو پریشاں دیکھا

☆

جفا وٴ جور کا اس سے گلا کیا
جو پوچھے: مہربانی کیا؟ وفا کیا؟
وہ بے پروا، جواب نامہ لکھے؟
خدا جانے کہ دشمن نے لکھا کیا؟

دیا کیوں ہونے اس بدخو پہ عاشق؟
ہمارا دوست کوئی بھی نہ تھا کیا؟

شمیم گل میں بوئے پیرہن ہے
غلط ہے یہ کہ احسان صبا کیا؟

نہ لکھنا تھا، غم ناکامی عشق
جواب نامہ بے مدعا کیا؟

ہمیں تھا آپ، قصد عرض احوال
جو وہ خود پوچھتے ہیں، پوچھنا کیا؟

تماشا ہے، جلے گر خانہ غیر
وہ کہتے ہیں کہ'' آہِ شعلہ زا کیا؟ ''

فنائے عاشقاں، عینِ بقا ہے
دِیَت زندوں کی کیسی؟ خوں بہا کیا؟

اگر ہے بوالہوس، تو قتل کر چک
عدو سے وعدہ شوق آزما کیا؟

ق

کہا کل میں نے: '' اے سومایہء نا زا!
تلون سے ہے تم کو مدعا کیا؟ ''

کبھی مجھ پر عتاب بے سبب کیوں؟
کبھی، بے وجہ، غیروں سے وفا کیا؟

کبھی محفل مین وہ بے باکیاں کیوں؟
کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا؟

کبھی تمکینِ صَولت آفریں کیوں؟

کبھی الطافِ جرأت آزما کیا ؟
کبھی وہ طعنہ ہا ئے جا ں گزا کیوں؟
کبھی یہ غمزہ ہا ئے جاں فزا کیا؟
کبھی شعروں سے میر ے، نغمہ سازی
کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا؟ ''
کبھی، بے جرم، یہ آزردہ ھوزا
کہ کیا طا قت جو پو چھوں میں'' خطا کیا؟ ''
کبھی اس دشمنی پر بہرتسکین
پئے ہم جلو ہ ہا ئے دل ربا کیا؟ ''
یہ سب طول اس نے سن کر، بے تکلف
جواب اک مختصر مجھ کو دیا، کیا؟
''ابھی ائے شیفتہ! واقف نہیں تم
کہ با تیں عشق میں ہو تی ہیں کیا کیا؟ ''

وہ پر ی وش، عشق کے افسو ں سے مائل ہو گیا
مفت میں، مشہور میں لوگوں میں عامل ہو گیا
میں نہیں فر ھاد، وہ خسرو نہیں، پھر کیا سبب؟
غیر کامائل جو وہ شیریں شمائل ہوگیا
اشک باری، ہم کناری کی ہوس میں، رات، تھی
قلزمِ گریہ کو اُس کا دہیان، ساحل ہوگیا
زخم میر ے خنجرِ خو ں ریز تھے، اغیار کو
بے وفائی سے خجل کس وقت قاتل ہوگیا

اہلِ وحشت کو، مری شورش سے، لازم ہے خطر
میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں کے مقابل ہو گیا

رشکِ خسرو بے تصدف، نازِ شیریں بے اثر
سینۂ فرہاد، مثلِ بے ستوں، سِل ہو گیا

ہے خراشِ ناخنِ غم میں بھی کیا بالیدگی
جو ہلالِ غرّہ تھا، سو ماہِ کامل ہو گیا

عید کے دن ذبح کرنا اور بھی اچھا ہوا
حلقہ اسلام میں، وہ شوخ، داخل ہو گیا

اُس کے اُٹھتے ہی، یہ ہل چل پڑ گئی بس بزم میں
طورِ روزِ حشر، سب کو، طور محفل ہو گیا

ہوش تو دیکھو کہ سن کر میری وحشت کی خبر
چھوڑ کر دیوانہ پن کو قیس، عاقل ہو گیا

ہاتھ اُٹھایا اس نے قتلِ بے گنہ سے، میرے بعد
طالعِ اغیار سے، جلادِ عادل ہو گیا

حسن کے اعجاز نے تیرے، مٹایا کفر کو
تیرے آگے، نقشِ مانی، نقشِ باطل ہو گیا

میرے مرتے دم جو رویا وہ، بڑی تسخیر تھی
آبِ چشمِ یار، آبِ چاہِ بابل ہو گیا

ہے عدم میں بھی تلاشِ سرمہ و مشک و نمک
شیفتہ تیغِ نگہ سے کس کی گھائل ہو گیا؟

☆

یار کو محرومِ تماشا کیا
مرگِ مفاجات نے یہ کیا کیا؟

آپ جو ہنستے رہے، شب، بزم میں
جان کو دشمن کی، میں رویا کیا

عرضِ تمنا سے، رہا بے قرار
شب، وہ مجھے، میں اُسے چھیڑا کیا

سرد ہوا دل، وہ ہے غیر و سے گر م
شعلے نے، اُلٹا، مجھے ٹھنڈا کیا؟

مہر قمر کا ہے اب اُن کو گما ں
آہِ فلک سیر نے یہ کیا کیا؟

ان کو محبت ہی میں شک پڑ گیا
ڈر سے جو شکوہ نہ عدو کا کیا

دیکھیے! اب کون ملے خاک میں؟
یرنے، گردوں سے کچھ ایما کیا

حسرتِ آغوش ہے کیوں ہم کنار؟
غیر سے کب اُس نے کنارا کیا؟

چشمِ عنایت سے بچی جاں؟
مجھے نرگسِ بیمار نے اچھا کیا

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہے، جو یار نے ایسا کیا

☆

اُس جنبشِ ابرو کا گلا ہو نہیں سکتا
دل گوشت ہے، ناخن سے جُدا ہو نہیں سکتا

کچھ تُو ہی اثر کر، ترے قرباں! خموشی
نالوں سے تو کچھ کام مرا ہو نہیں سکتا

گر غیر بھی ہو وقفِ ستم تو ہے مسلم
کچھ تم سے، بجز جور و جفا، ہو نہیں سکتا

کھولے گرہ دل کو، ترا ناخن شمشیر
یہ کام اجل سے بھی روا ہو نہیں سکتا

سبقت ہو تجھے، راہ میں اُس کوچے کی، مجھ پر
زنہار، یہ اے راہ نما! ہو نہیں سکتا

میں نے جو کہا: "ہمدمِ اغیار نہ ہو جے"
تو چیں بہ جبیں ہو کے کہا: "ہو نہیں سکتا"

یہ رازِ محبت ہے، نہ افسانہ بلبل
محرم ہو مری بادِ صبا، ہو نہیں سکتا

کب طالع خفتہ نے دیا خواب میں آنے
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

وہ مجھ سے کنا ہے، تو اُسے یہ بھی ہے زیبا
پر شیفتہ، میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا

☆

صبح ہوتے ہی، گیا گھر، مہ تاباں میرا
پنجہ خور نے کیا چاک، گریباں میرا

Iqbal Cyber Library All rights reserved © 2002-2005

گرم گرم، اس رخ نازک پہ نظر کی کس نے؟
رشک گل ریز ہے کیوں دیدۂ گریاں میرا؟

وادی نجد کو، دلی سے نہ دینا نسبت
ہے وہ مجنوں کا بیاباں، یہ بیاباں میرا

دیکھ کر میری طرف، ہنس کے کہا، یہ دم قتل
آج تو دیکھ لیا آپ بے پیاں میرا؟

نہ گھر آیا، نہ جنازے پہ، نہ مرقد پہ کبھی
حیف صد حیف! نہ نکلا کوئی ارماں میرا

چارہ سازو! کوئی رشتا ہے بجز چاک ہوئے؟
آپ سو بار سئیں، ہے یہ گریباں میرا

گور میں، یاد قد یار نے سونے نہ دیا
فتنۂ حشر کو، رفتار نے سونے نہ دیا

واہ، اے طالع خفتہ! کہ شب عیش میں بھی
وہم بے خوابی اغیار نے سونے نہ دیا

وارہیں، صورت آغوش، سحر تک آنکھیں
شوق ہم خوابی دلدار نے سونے نہ دیا

طالع خفتہ کی تعریف کہاں تک کیجئے
پاؤں کو بھی خلش خار نے سونے نہ دیا

دردِ دل سے جو کہا نیند نہ آئی؟ تو کہا
مجھ کو کب نرگس بیمار نے سونے نہ دیا

شب ہجراں نے کہا قصہ گیسوئے دراز
شیفتہ، تہ بھی دل زار نے سونے نہ دیا

آج ہی کیا آگ ہے، سرگرم کیں تو کب نہ تھا؟
شمع ساں، کجبور خوئے آتشیں تو کب نہ تھا؟
آج ہی ہر بات پر بے وجہ کیا رکتا ہے تو؟
اے ستم گر! بر سر پرخاش وکیں تو کب نہ تھا؟
آج ہی تیری جگہ کچھ سینہ و دل میں نہیں
مثل تیر غمزہ، ظالم! دل نشیں تو کب نہ تھا؟
آج ہی کیا شرمو شوخی کو ملایا ہے بہم؟
گیر سے بے باک، مجھ سے شرم گیں، تو کب نہ تھا؟
آج ہی کیا ہے فلک پر شکوۂ فریاد خلق؟
اے ستم گر! آفت روئے زمیں تو کب نہ تاھ؟
آج ہی کیا دشمنوں سے قتل کی تدبیر ہے؟
اے جفا جو! درپئے جان حریں تو کبنہ تھا؟
آج ہی باتیں بنانی یاں کے آنے میں نہیں
حیلہ گر تو کب نہ تھا؟ عذر آفریں تو کب نہ تھا؟
آج ہی اٹھ کر یہاں سے کیا عدو کے گھر گیا
مہروش، شب کو کہیں، دن کو کہیں، تو کب نہ تھا؟
آج ہی ٹیکا لگانے سے، لگے کیا چار چاند؟
بے تکلف بے تکلف، مہ جبیں تو کب نہ تھا؟

آج ہم کچھ سوز ہجراں سے نہیں پروانہ وار
شیفتہ، بے تاب روئے آتشیں تو کب نہ تھا؟

میں پریشاں گرد، اور محفل نشیں تو کب نہ تھا؟
ہر کہیں، کس دن نہ تھا میں؟ ہر کہں، تو کب نہ تھا؟
یا سبک حرف ملامت، واں گراں عرض نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا؟ اور نازنیں تو کب نہ تھا؟
ناصح واعظ کے ملعوں، اے صنم! ہم کب نہ تھاے؟
آفت جان و بلائے عقل و دیں تو کب تھا؟
انتہا کی بات ہے یاں ابتدائے عشق ہے
ہن بہ تھے کب عجز گستر؟ خشمگیں تو کب نہ تھا
جستجو میں سرمۂ تسخیر کی، ہم کب نہ تھے
چشم افسوں ساز سے، سحر آفریں تو کب نہ تھا؟
تجھ کو شک الفت میں اپنی، ہم کو و ہم ربط گیر
بدگماں ہم کب نہ تھے؟ اور بے یقیں تو کب نہ تھا؟
باشکیبا، مضطرب، وقف ستم، ہن کب نہ تھے؟
بے مروت بے وفا مصروج کیں، یو کب نہ تھا؟
تیری ان باتوں پہ ہم طعنے اٹھاتے کب نہ تھے؟
اے ستم گر! شیفتہ کا ہم نشیں تو کب نہ تھا؟

میں وصل میں بھی، شیفتہ، حسرت طلب رہا
گستاخیوں میں بھی، مجھے پاس ادب رہا

تغیر وضع کی، ہے اشارہ و داع کا
یعنی، جفا پو خوگر الطاف کب رہا
میں رشک سے چلا، تو کہا: بے سبب چلا
اس پر جو رہ گیا تو کہا: بے سبب رہا
دم بھر بھی غیر پر نگہ لطف کیوں ہے اب؟
اک عمر، میں ستم کش چشم غضب رہا
تھا، شب تو آہ میں بھی اثر، جذب دل میں بھی
کیوں کر نہ آئے؟ شیفتہ! مجھ کو عجب رہا

بسکہ، آغاز محبت میں ہوا کام اپنا
پوچھتے ہیں، ملک الموت سے انجام اپنا
عمر ڈٹتی ہے، تصور میں رخو کا کل کے
رات دن اور ہے، اے گردش ایام! اپنا
واں یہ قدغن کو نہ آواز فغاں بھی پہنچے
یا یہ شورش مہ گزارا ہو لب بام اپنا
ان سے نازک کع کہاں گرمی صحبت کی تاب؟
بس کلیجانہ پکا، اے طمع خام! اپنا
تپش دل سبب کے سبب سے ہے مجھے، خواہش مرگ
کون ہے، جس کو نہ منظور ہو آرام اپنا؟
بادہ نوشی سے ہماری، جو لہو خشک ہوا
خون اغیار سے لب ریز ہے کیا جام اپنا
لطف سمجھوں تو بجا، جور بھی سمجھوں تو درسے

تم نے بھیجا ہے مرے پاس جو ہم نام اپنا
ذکر عشاق سے آتے ہے جو غیرت اس کو
آپ عاشق ہے، مگر، وہ بت خود کام اپنا
تاب بوسے کی کسے شیفتہ؟ وہ دیں بھی اگر
کر چکی کام یہاں لذت دشنام اپنا

جی، داغ غم رشک سے جل جائے، تو اچھا
ارمان عدو کا بھی نکل جائے، تو اچھا
پروانہ بنا، میرے جلانے کو، وفادار
محفل میں کوئی شمع بدل جائے، تو اچھا
کس چین سے نظارۂ ہر دم ہو میسر
دل، کوچہ دشمن میں بہل جائے، تو اچھا
تم غیر کے آبو سے نکل آہ، تو بہتر
حسرت یہ مرے دل کی نکل جائے، تو اچھا
سودا زدہ کہتے ہیں ہوا شیفتہ افسوس
تھا دوست ہمارا بھی، سنبھل جائے تو اچھا

پلا جام ساقی سے ناب کا
کہ کچھ حظ اٹھے سیر مہتاب کا
دل زار کا ماجرا کیا کہوں؟
جسانہ ہے مشہود سیماب کا
کہاں پھر وہ بایاب، پایا بسے؟

غلط شوق ہے جنس نایاب کا
نہ کیجو غل، اے خوش نوا یان صبح
یہ ہے وقت ان کے شکر خواب کا
محبت نہ ہرگز جتائی گئی
رہا ذکر کل اور ہر باب کا
دم سرد سے لا نہ طوفان باد
نہ سن ماجرا چشم پر آب کا
وہاں بے خودوں کی خبر کون لے؟
جہاں شغل ہو بادۂ ناب کا
وہاں تیرہ روزوں کی پروا کسے؟
جہاں شوق ہو سیر مہتاب کا
وہ تشخیص شخصی بھی جاتی رہی
کنائا الٹتے ہی جلباب کا
میں، بے جرم، رہتا ہوں خائف کہ واں
جفا میں نہیں دخل اسباب کا
پڑے صبر آرام کع جان پر!
مری جان بے صبر و بے تا ب کا
لب لعل کو کس کے جنبش ہوئی
ہوا میں ہے کچھ رنگ عناب کا
نہ کرنا خطا پر نظر سیفتہ
کہ اغماض، شیوہ ہے احباب کا

☆

تقلیدِ عدو سے، ہمیں ابرام نہ ہو گا
ہم خاص نہیں اور کرم عام نہ ہو گا

صیاد کا دل اس سے پگھلنا متعذر
جو نالہ آتش فگنِ دام نہ ہو گا

جس سے ہے مجھے ربط، وہ ہے کون؟ کہاں ہے؟
الزام کے دینے سے تو، الزام نہ ہو گا

بے داد وہ، اوراس پہ وفا یہ، کوئی مجھ سا
مجبور ہوا ہے، دلِ خود کام، نہ ہو گا

وہ غیر کے گھر نغمہ سراھوں گے، مگر کب؟
جب ہم سے کوئی نالہ سرانجام نہ ہو گا

ہم طالب شہرت ہیں، ہمیں ننگ سے کیا کام
بد نام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا

قاصد کو کیا قتل، کبوتر کو کیا ذبح
لے جائے مرا اب کوئی پیغام، نہ ہو گا

جب پردہ اُٹھا تب ہے عدو دوست، کہاں تک
ازادِ عدو سے مجھے آرام نہ ہو گا؟

یاں جیتے ہیں اُمید شب وصل پر، اور واں
ہر صبح توقع ہے کہ تاشام، نہ ہو گا؟

قاصد ہے عبث منتظر وقت، کہاں وقت
کس وقت انہیں شغل مئے و جام نہ ہو گا؟

دشمن، پس دُشنام بھی، ہے طالب بوسہ

محوِ اثرِ لزتِ دُشنام نہ ہوگا
رخصت، بس اب اے نالہ کہ یاں ٹھیر چکی ہے
نالہ نہیں، جو آفت اجرام نہ ہوگا
برق آئینہ فرصت گُل زار ہے، اُس پر
آئینہ نہ دیکھے کوئی گُل فام، نہ ہو گا
اہل نظر! زرے میں پوشیدہ ہے خورشید
ایضاح سے حاصل، بہ جُزا یہام، نہ ہو گا
اس نازو تغاجل میں ہے، قاصد کی خرابی
بے چارہ، کبھی لائق انعام نہ ہو گا
اس بزم کے چلنے میں ہو تم کیوں متردّد؟
کیا شیفتہ، کچھ آپ کا اکرام نہ ہو گا؟

دیکھوں تو، کہاں تک وہ تلطف نہیں کرتا؟
آری سے اگر چیرے، تو میں اِنہیں کرتا
تم دیتے ہو تکلیف، مجھے ہوتی ہے راحت
سچ جانیئے! میں اس میں تکلف نہیں کرتا
سب باتیں اُنھی کی ہیں یہ؟ سچ بولیو، قاصد!
کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا؟
سو خوف کی ہو جائے مگر رند نظر باز
دل، جلوہ گہ لاتشف و کُشف، نہیں کرتا
شوخی سے، کسی طرح سے چین اس کو نہیں ہے
آتا ہے، مگر آکے تو قف نہیں کرتا

اُس شوخ ستم گر سے پڑا ہے مجھے پالا
جو قتل کیے پر بھی تا سف نہیں کر تا

جو کچھ ہے انا میں وہ ٹپکتا ہے، انا سے
کچھ آپ سے میں زکر، تصوف نہیں کر تا تسکین ہو کیا
وعدے سے؟ معشوق ہے آخر
ہر چند، سُنا ہے کہ تخلف نہیں کر تا

کیا حال تمہارا ہے؟ ہمیں بھی تو بتاؤ!
بے وجہ کوئی شیفتہ ، اُف اُف نہیں کر تا

اپنے جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

مشاطہ نے، مگر ، عملِ سیمیا کیا
گُل برگ کو جو غنچہ سو سن بنا دیا

دامن تک اُس کے، ھائے، نہ پہنچا کبھی وہ ہا تھ
جس ہا تھ نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

دیکھا نہ ہو گا خواب میں بھی یہ فروغ حسن
پر دے کو، اُس کے جلو ے نے، چلمن بنا دیا

تم لو گ بھی غضب ہو! کہ دل پر یہ اختیار
شب، موم کر لیا، سحر، آھن بنا دیا

پروانہ ہے خمو ش کہ حکم سخن نہیں
بُلبُل ہے نغمہ گر کہ نوا زن بنا دیا

صحرا بنا رہا ہے وہ افسو س، شہر کو

صحرا کو، جس کے جلو ے نے، گلشن بنا دیا
مشا طہ کا قصور سہی سب، بناؤ میں
اُس نے ہی کیا نگہ کو بھی پرفن بنا دیا؟
اظہار، عشق اس ے نہ کر نا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دو ست کو دشمن بنادیا؟

کیا لائق، زکات، کوئی بے نوانہ تھا؟
انفاس باد میں، نفس آشنا نہ تھا
اس قوم کی سر شت میں ہے کم محبتی
شکوہ جو اس سے تھا، مجھے، ہر گز بجا نہ تھا
تا شیر نا لہ، نکتہ بعدا لوقوع ہے
یاں غیر رسم اور کو ئی مدعا نہ تھا
وحشت تھی مجھ کو پہلے بھی، پر یہ تپش نہ تھی
شو رش تھی مجھ کو پہلے بھی، پر یہ مزا نہ تھا
ان کی نگاہ ناز، عجب تا ز یا نہ تھی
مقدور، پھر اُدھر نظر شو ق کا نہ تھا
افسوس! وہ مظاہر کو نی میں پھنس گیا
جو عالم عقول سے ناآشنا نہ تھا!
شر ما تے اس قدر رہے کیو ں آپ رات کو؟
مدت میں گو ملے تھے، مگر میں تیا نہ تھا!
بے پر دہ ان کے آنے سے، حیر ت ہو ئی مجھے
وصل عدو کی رات تھی، روزِ جزا نہ تھا

نسا ن و نمک کی تھی ہمیں تو فیق، شیفتہ
سا زو تو ا کے واسطے بر گ و نوا نہ تھا

کل، نغمہ گر جو مطر ب جا دو ترا نہ تھا
ہو ش و حواس و عقل و خرد کا پتا نہ تھا
یہ بُت کہ جائے شیب ہے، جب، تھا نقا ب میں
عہد شباب اور بُتو ں کا زما نہ تھا
معلوم ہے! ستا تے ہو، ہر اک بہا نے سے
قصداً نہ آئے رات، حنا کا بہا نہ تھا
حسر ت سے، اس کے کو چے کو کیونکرنہ دیکھے؟
اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیا نہ تھا
کیا ہے کدو ں میں ہے کہ مدارس میں وہ نہیں؟
البتہ، ایک واں دلِ بے مدعا نہ تھا
سا قی کی بے مدد نہ بنی بات، رات کو
مُطرب، اگر چہ کا م میں اپنے، یگا نہ تھا
کچھ آج، ان کی بزم میں، بے ڈھب ہے بندوبست
آلو دہ مسے سے، دامنِ با دِ صبا نہ تھا
دشمن کے فعل کی تمھیں تو جیہ، کیا ضرور
تمسے فقط مجھے گلہ دوستا نہ تھا
کل، شیفتہ سحر کو عجب حال خو ش میں تھے
آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترا نہ تھا

☆

تھا، غیر کا جو رنج جدا ئی، تما م شب
نیند اُن کو میرے سا تھ نہ آئی، تمام شب

شکوہ مجھے نہ ہو، جو مکا فا ت حد سے ہو
واں صلح ایک دم ہے، لڑائی تمام شب

یہ ڈر رہا کہ سوتے نہ پائیں کہیں مجھے
وعدے کی رات، نیند نہ آئی تمام شب

سچ تو یہ ہے کہ بو ل گئے، اکثر اہل شوق
بلبل نے کی جو نالہ سرائی، تمام شب

دم بھر بھی عمر کھو ئی جو ذکر رقیب میں
کیفیت وصال نہ پائی تمام شب

تھوڑا سا میرے حال پہ فراما کر التفات
کرتے رہے وہ اپنی بڑائی تمام شب

وہ آہ، تار و پود ہو جس کا ہوائے زلف
کرتی ہے عنبری و صبائی تمام شب

وہ صبح جلوہ، جلوہ گر باغ تھا جو رات
مر غ سحر نے دھو م مچائی تمام شب

افسا نے سے بگاڑ ہے، ان بن ہے خواب سے
ہے فکر وصل و ذکر جدائی تمام شب

جس کی شمیم زلف پہ، میں غش ہو ں شیفتہ
اس نے شمیم زلف سنگھائی تمام شب

یوں بزم گل رخاں میں ہے اس دل کو اضطراب
جیسے بہار میں ہو عنادل کو اضطراب

نیرنگ حسن و عشق کے کیا کیا ظہور ہیں
بسمل کو اضطراب ہے، قاتل کو اضطراب

آجائے ہم نشین! وہ پری وش، تو کیا نہ ہو
دیوانہ وار، ناصح عاقل کو اضطراب

سیماب وار، سارے بدن کو ہے یاں تپش
تسکین ہو سکے، جو ہوں میرا جو نسام لے
قاتل، تو پھر نہ ہوکسی بسمل کو اضطراب

افسوس! باد آہ سے ہل بھی نہ جائے اور
یوں ہو، ہو اسے پردہ محمل کو اضطراب

میں جاں بہ لب ہوں اورخبر وصل جاں طلب
کیا کیا نہیں دھندہ و سائل کو اضطراب

لکھا ہے خط میں حال، دل بے قرار کا
ہوگا ضرور، شیفتہ، حامل کو اضطراب

کیا اُٹھ گیا ہے دیدہ اغیار سے حجاب؟
ٹپکا پڑے ہے کیوں نگہ یار سے حجاب؟

لا و نعم نہیں جو تمنائے وصل پر
انکار سے حجاب ہے، اقرار سے حجاب

تقلید شکل چاہیے سیرت میں بھی تجھے

کب تک رہے مجھے ترے اطوار سے حجاب ؟
سشنام دیں، جو بو سے میں ابرام ہم کریں
طبع غیور کو ھے پر اصرار سے حجاب
رندی میں بھی گئی نہ یہ مستوری و صلاح
آتسا ہے مجھ کو محرم اسرار سے حجاب
وہ طعنہ زن ہے زندگی ہجر پر عبث
آتا ہے مجھ کو حسرت دیدار سے حجاب
جوش نگاہ دیدہ حیراں کو کیا کہوں؟
ظاہر ہے، روئے آئینہ رخسار سے حجاب
روز و شب وصال مبارک ہو! شیفتہ
جور فلک کو ہے ستم یار سے حجاب

دشمن سے ہے میرے دل مضطر کی شکایت
کیوں کر نہ کروں شوخی دل بر کی شکا یت؟
دیوانہ اُلفت، ادب آموز خدر ہے
سو دے میں نہیں زلف معنبر کی شکایت
تاخیر نہ کر، قتلِ شہیدان وفا میں
ہو ایک کو ہے تیزی خنجر کی شکا یت
تا ثری ہو کیا، اُن لب و دندا ں کا ہو ں بیما ر
نے لعل کا شکوہ ہے، نہ گو ہر کی شکا یت
کیو ں بو الہوسوں سے دل عا شق کا گلہ ہے؟
غیروں سے بھی کر تا ہے کوئی گھر کی شکا یت

اب ظلم سر شتو ں کی نگہ سے ہوں مقا بل
ہو تی تھی کبھی کا وش نشتر کی شکا یت
یاں کا نٹو ں پہ لو ٹنے میں چین نہیں ہے
واں غیر سے ہے پھو لوں کے بستر کی شکا یت
تعلیم بد آمو ز کو ہم کر تے ہیں، یعنی
ہے شکر وفا، جو ر ستم گر کی شکا یت
بے پردہ آئیں گے، تو کیسے مجھے ہو گی؟
اے شیفتہ! ہنگامہ محشر کی شکا یت

اُس وفا کی مجھ سے پھر اُمید واری، ہے عبث
دل فریبی کی لگا وٹ یہ تمہاری، ہے عبث
دشمنی کو جو کہ احسا ں جا نتا ہو، نا ز سے
اُس ستم ایجا د سے اُمید یا ری ہے عبث
غمزہ ھائے دوست، بعدا زگ بھی نظروں میں ہیں
وہم راحت سے عدو کو بے قراری ہے عبث
سرو میں کب پھل لگا، تا ثیر کیا ہو آہ میں؟
چشم تر کی صورت، ابر اشک باری ہے عبث
ہم نے غا فل پا کے تجھ کو، اور کو دل دے دیا
اے ستم کر! اب تری غفلت شعاری، ہے عبث
ہجر میں، چر خ واجل نے، گرانہ کی یاری، تو کیا؟
دشمنو ں سے، شیفتہ، امد واری ہے عبث

☆

نہ کر فاش، راز، گلستاں، عبث
نہ ہو بلبل زار نا لاں، عبث

مقدم ہے، تر ک عدو کی قسم
وگرنہ، یہ سب عہد و پیا ں عبث

جو آیا ہے وادی میں تو صبر کر!
شکا یات خا ر مغیلا ں عبث

تکبر، گدائے خرابات سے
نہ اے خواجہ! کھو، جا ن وایما ں عبث

وھاں صوت میناو آواز ساز
خو ش آھنگی مر غ خواں عبث

وہاں دس بجے دن کو، ہو تی ہے صبح
سحر خیزی عند لیبا ں عبث

دم خضر ہے، چشمہ زندگی
سکندر، سر، آب حیواں، عبث

پری کا وھاں مجھ کو سایہ ہوا
نہیں اشتیاق دلبستا ں عبث

طلب گار راحت ہیں، نا در دمند
اگر درد ہے، فکر درماں عبث

یہ نازک مزا جوں کا دستو ر ہے
خشونت سے اندوہ و حرماں عبث

شکایت کو اُس نے سنا بھی نہیں

کُھلا غیر پر رازِ پنہا ں عبث
مر ے غم میں گیسوئے مشکیں نہ کھو ل!
نہ ھو خلق کا دشمن جاں عبث
محبت جتاتا ھوں ہر طور سے
اثو کی نظر، سوئے افغاں عبث
نہ سمجھا کسی نے مجھے گل، نہ صبح
ھوا ٹکڑے ٹکڑے گریباں عبث
مجھے یوں بٹھا تے وہ کب بزم میں؟
اٹھائے رقیبوں نے طوفاں عبث
یہ انداز دل کش کہاں شیفتہ؟
جگر کاوی مرغِ بُستاں عبث

ائے شیفتہ، نوید؟ شبِ غم، سحر ہے آج
ہم تاب آفتاب، فروغ قمر ہے آج
آہنگ دل پزیر سے مطر ب ہے جا ں تواز
آہ جگر خراش کا ظاہر اثر ہے آج
دل سے کشا دہ تر نہ ہو کیونکر فضائے بزم؟
تنگئی خا نہ، حلقہ بیر وں ِ دو ہے آج
فانوس میں نہ شمع، نہ شیشے میں ہے پر ی
سا غر میں، جس بہار سے، سے جلوہ گر ہے آج
پروانوں کا دما غ بھی ہے آسما ن پر
نورِ چراغ میں جو فروغ قمر ہے آج

ہر سمت جلوہ گر ہیں، جوانا ں لا لہ رُو
گُل زار جس کو کہتے ہیں وہ اپنا گھر ہے آج

سا ماں وہ کہ آئے نہ چشم خیا ل میں
اے رقیب! دیکھ، کہ پیش نظر ہے آج

وہ دن گئے کہ ربط سر وسنگ تھا بہم
شکرانی کے سجود ہیں اور اپنا سر ہے آج

اسبابِ عیش یہ جو مہیا ہے شیفتہ
کیا پر دہ تم سے؟ آنے کی اُن کے خبر ہے آج

شیفتہ! ہجر میں تو نالہ شب گیر نہ کھینچ
صبح ہونے کی نہیں، خجلت تا ثیر نہ کھینچ

اے ستم گر! رگ جا ں میں ہے مر ی پیو ستہ
دم نکل جائے گا، سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

حور پر بھی کوئی کر تا ہے عمل، دنیا میں
رنج بے ہودہ بس اے عامل تسخیر، نہ کھینچ

عشق سے کیا ہے تجھے؟ شکل تری کہتی ہے
حسن تقریر کو، آھیں، دم تقریر، نہ کھینچ!

ہے یہ سامان صفائی کا عدو سے کیوں کر
دستِ مشا طہ سے یوں زلف گر ہ گیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ! کچھ اُمید تلافی تو رہے
دست نا زک سے، مرے قتل کو شمشیر نہ کھینچ

چارہ گر! فکر کر اس میں کہ مقدر بدلے

ورنہ، بے ہو دہ ازیت پئے تدبیر نہ کھینچ
کون بے جرم ہے جو شا ئق تعزیر نہیں ؟
شو ق تعزیر سے تو حسرت تقصیر نہ کھینچ
وجد کو، زمزمہ مرغ سحر، کافی ہے
شیفتہ، نازِ مغنی و مزا میر نہ کھینچ

ناصح تپاں ہے، شیفتہ نیم جا ں کی طرح
کیا دل میں چبھ گئی نگہ جا ں ستاں کی طر ح؟
بہتر ہے، آپ غیر سے، دل کھو ل کر، ملیں
آخر تو، یہ بھی میرے ہی ہے امتحا ں کی طرح
اُس شمع رو کی بزم میں، ما نع نہ تھا کوئی
ہو تے سبک، جو نا لہ آتش فشا ں کی طرح

☆نسخہ مخطوطہ میں مقطع ہے:

شیفتہ! حضر ت مو من کا ہے فتو یٰ، بس اب
حسرت حر مت صہبا و مزا میر نہ کھینچ

اور مومن کا مقطع ہے:

مومن، آکیشِ محبت میں، کہ سب کچھ ہے روا
حسر ت حرمت صہبا و مزا میر نہ کھینچ
کیو ں ہر نفس ہے، شہر خمو شی سے بند لب؟
بھا ئی ہے دل کو، کو ن سے شیر یں بیاں کی طرح؟
لڑنے میں آشتی، نہ تغا فل میں التفات
یہ جور کی نکالی ہے تم نے کہاں کی طر ح؟

خمیازہ، بند بند گُسل ہے، خماد سے
بد مست کر گئی، یہ کس ابُرو کماں کی طرح

دیا ہے بوسہ مجھے، جب کہ میں ہوا گستاخ
غلط ہے بات، کہ کم رزق ہے، گدا گستاخ
تمہاری بزم میں افسر دہ میں نہ بیٹھوں گا
نسیم باغ میں چالاک ہے، صبا گستاخ
کہاں ہے گیرت شوخی؟ کہ جائے غیرت ہے
نگاہ یار سے، ہر وقت ہے حیا گستاخ
سفیہ جیسے کہ خدمت سے چل نکلتے ہیں
غیرور سہر و وفا نے، مجھے کیا گستاخ
لبوں سے جان ہے گستاخ زوق لے حد سے
زبانِ بوسہ، مجھے تو نے کیوں کہا:'' گستاخ؟''
قبول کیوں نہ ہوئی خواہش ہم آغوشی؟
کہ آشنا وُں سے، ہوتے ہیں آشنا گستاخ
عنان ضبف کوئی شیفتہ سے تھمتی ہے؟
کہ ہر کرشمہ ہے کا چالاک و ہر ادا گستاخ

روزِ غم میں، کیا قیامت ہے، شن عشرت کی یاد؟
اشک خوں سے، آگیں رنگینیاں صحبت کی یاد
میری حالت دیکھ تو، تغیر کتنی ہو چکی
وصل کے دن، دم بہ دم، کیوں شیشہ ساعت کی یاد؟

میں ہوں بے کس اور بے کس پر ترحم ہے ضرور
حسن روز افزوں! دلا کینا مری حالت کی یاد

طاقت جنبش نہیں، اس حال پر قصد عدم
مر گئے پر بھی، رہے گی اپنی اس ہمت کی یاد

غالباً ایام حرماں، بے خودی میں کٹ گئے
آئی ہے پہر، آرزو بھولی ہوئی مدت کی، یاد

دل لگانے کا ارادہ پھر ہے، شاید، شیفتہ؟
ایسی حسرت سے جو ہے گزری ہوئی الفت کی یاد

طلب بوسہ پر، اس لب سے شکر آب لذیذ
تند ہے، تلخ ہے، لیکن ہے مئے ناب، لذیذ

کچھ مزا تہ نہ سمجھ خضر امور عشرت
سب مزاجوں میں نہیں، ایک سے اسباب، لذیذ

سم کی تاثیر کئے، ہجر میں، آکب حیساں
مئے گل گوں سے سوا، وصل میں ہے آب لذیذ

روزھاد سہی پر نہیں مقبو ل مغا ں
تا نہ معلوم ہو تلخی مئے ناب لزیز

شیفتہ، زوق سحر اس نے کہاں دیکھا ہے؟
وہ جو کہتا ہے کہ" ہے آخرِ شب خواب لزیز"

وصل کے لطف اُٹھاؤں کیوں کر؟
تاب اُس جلوے کی لاؤں کیوں کر؟

گرم جوشی کا کروں شکوہ کہ وہ
کہتے ہیں: تجھ کو جلاؤں کیوں کر؟
کیا کروں، ہائے! میں بے تاب، وہ شوخ چین شے،
پاس بٹھاؤں کیوں کر؟
ہر بُن مو سے دھواں اٹھتا ہے
آتش غم کو چھپاؤں کیوں کر؟
میرے آنے سے، تم اُٹھ جاتے ہو
بزم دشمن میں نہ آؤں کوں کر؟
یاد نے جس کی، بھلایا سب کچھ
اس کی میں یاد بھلاؤں کیوں کر؟
آ بھایا مجھے رونا اپنا
کہتے ہیں: ہائے میں جاؤں کیوں کر؟
چارہ غیر سے فرصت ہی نہیں
درد دل اس کو شنائعں کیوں کر؟
زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہو، تم کو مناؤں کیوں کر؟
اُس کے آتے ہی بھڑک اٹھی اور
آتش دل کو بجھاؤں کیوں کر
شورِ محشر ابھی چونک اٹھے گا
شیفتہ کو میں جگاؤں کیوں کر؟

شیفتہ، آیا ہوں میں کس کا تماشا دیکھ کر؟

رہ گئے حیران، مجھ کو سب خود آرا دیکھ کر
شوق خوباں اڑگیا، حوروں کا جلوا دیکھ کر
رنج دنیا مٹ گیا، آرام عقبیٰ دیکھ کر
ہے وہ آتش جلوہ اشک افشاں ہمارے شور سے
شمع رو دیتی ہے۔ پروانے کے جلتا دیکھ کر
خیر! جو گزری سو گزری، پر یہی اچھا ہوا
خط دیا تھا نامہ بر نے، اس کو تنہا دیکھ کر
سائل مبرم کی پھبتی مجھ پہ فرمانے لگے
ارزوئے شوق کا گرم تقاضا دیکھ کر
ہے وہاں سستی طلب میں، جاں یہاں بھاری نہیں
کام کرنے ہیں مزاف کارفرما دیکھ کر
ہیں تو دونوں سخت، لیکن کون سا ہے سخت تر؟
اپنے دل کو دیکھیے، میرا کلیجا دیکھ کر
گاؤں بھی ہم کو غنیمت ہے کہ آبادی تو ہے
آئے ہیں ہم، سخت پُرآشوب صحرا دیکھ کر
اب کسے لاؤں گواہی کے لیے روزِجزا
میرے دشمن ہو گئے اس کو اعبا دیکھ کر
میں کمینِ توبہ میں ہوں آپ لیکن کیا کروں
منہ میں بھر آتا ہے پانی جام و مینا دیکھ کر
التماس وصل پر بگڑے تھے بے ڈھب رات کو
کچھ نہ بن آئی مگر جوشِ تمنا دیکھ کر
دوستی کرتے ہیں ارباب خرض ہر ایک سے

میرے عاشق ھیں عدواب ربط اس کا دیکھ کر
بے نُقط مجھ کو سناؤ گے جو دیکھو گے ستم
آپ عاشق تو ھوئے ھیں شوق میرا دیکھ کر
پھر کہو گے اس کو دل فرماؤ اے ارباب دل
جو نہ ھو بے تاب ومضطر روئے زیبا دیکھ کر
یار پہلو میں نہیں سے جام ومینا میں نہیں
تم ھوئے حیران مجھ کو ناشکیبا دیکھ کر
ناگہاں باد موافق شیفتہ چلنے لگی
جان پر کل بن رھی تھی شورِ دریا دیکھ کر

تھا قصد بوسہ نشے میں سرشار دیکھ کر
غش آگیا مجھے آنھیں ہشیار دیکھ کر
کچھ بیم قتل سے نہیں آنکھوں میں اشک سرخ
کھاتا ہے جوش خوں تری تلوار دیکھ کر
جاتے ھیں اور منع کی طاقت نہیں مگر
رہ جائیں آپ وہ مجھے ناچار دیکھ کر
پرادہ کسی کا یاد نہ بے پردگی ھے یاد
غش ھو گیا میں کعبے کی امتار دیکھ کر
سرخیل عاشقاں مجھے کہتے ھیں بوالہوس
عاشق کا اس کو مائل آزاردیکھ کر
آتی ھیں یاد کا کل و دل کی حکایتیں
روتا ھوں دام و مرخ گرفتار دیکھ کر

کیا بن گیا ہوں صورتِ دیوار دیکھنا
صورت کسی کی میں سرِ دیوار دیکھ کر

رحم ایسی سادگی پہ ستم گر ضرور ہے
عاشق ہوئے ہیں ہم تجھے پُرکار دیکھ کر

کم رغبتی سے لیتے ہیں دل ہوشیار ہیں
بڑھتا ہے مول شوقِ خریدار دیکھ کر

کہتا تھا وقت مرگ کے ہر اک سے شیفتہ
دینا کسی کو دل تو وفادار دیکھ کر

یوں پاس بوالہوس رہیں چشم غضب سے دور
یہ بات ہے بڑی دل عاشق طلب سے دور

دیوانہ میں نہیں کہ انا لیلیٰ لب پہ آئے
باتیں خلاف وضع ہیں اہلِ ادب سے دور

مجھ کو سنا کے کہتے ہیں ہمدم سے: یاد ہے
اک آدمی کو چاہتے تھے ہم بھی اب سے دور

جو لطف میں بھی پاس پھٹکنے نہ دے کبھی
رکھیو الٰہی ایسے کے مجھ کو غضب سے دور

کیوں کر میں انجمن میں تمھاری شریک ہوں
ارباب رنج رہتے ہیں اہلِ طرب سے دور

ہم سے اُسے معاملہ تھا جان و جسم کا
ہرگز ملا نہ گاہ ہوا جائے جب سے دور

تُو بھی جو میرے پاس نہ آئے، تو کیا کروں؟

تیرے ہی پاس سے تو، میں رہتا ہوں سب سے دور
میں، غیر بوا لہوس نہیں، ڈرتے ہو کس لیے؟
مجھ سے نہ رکھو، بوسے میں، تم، لب کو لب سے دور
بوس و کنار کی نہ کروں گا ہوس، کبھی
یہ خواہشیں ہیں، عاشقِ حسرت طلب سے دور
آغاز عمر ہی میں ہے ہم کو خیال حج
دلی جو، شیفتہ، ہے دیارِ عرب سے دور

ہم بے نشان اور وفا کا نشا ں ہنوز
ہے خا ک تن ہو ا و ہو اخو ں فشا ں ہنوز
بیت الحزن میں نغمہ شا دی بلندل ہے
نکلا ہی باب مصر سے ہے کارواں ہنوز
نسخہ مخطو طہ میں پہلا مصر ع یو ں ہے:
کیوں کر کلا م آپ کا اعجاز ہوگیا؟
بعد کو مصر عئہ اول قلم زد کر کے مطبو عہ مصرع بنا دیا۔
صبحِ شبِ وصال نئی صبح ہے، مگر
پرویں ہنوز جلوہ گر و کہکشاں ہنوز
ہر گز ابھی شکا یت دشمن نہ چا ھیے
ہم پر بھی یار خوب نہیں مہر باں ہنوز
کیوں کر کہیں کہ چُھٹ گئے ہم، بند جسم سے؟
اُس زلفِ پیچ پیچ میں اُلجھی ہے جا ں ہنوز
جوبات سے کدے میں ہے اک ایک زبان پر

افسوس! مدرسے میں ہے بلکل نہاں ہنوز
ضبط و شکیب یاں ہے نقاب جمال شوق
بے وجہ واں نہیں ہے سر امتحان ہنوز
مدت ہوئی بہار جہاں دیکھتے ہوئے
دیکھا نہیں کسی نے گل بے خزاں ہنوز
اکثر ہوا ہے مجھ کو سفر در وطن، مگر
لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز
اک شب، ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر، وہ ماہ
مدہوش ہیں ملائکہ آسمان ہنوز!
نا آشنا رقیب سے ہے، آشنا ابھی
نا آشنا ہے لب سے ہمارے، فغاں ہنوز
آشفتہ زلف، چاک قبا، نیم باز چشم
ہیں صحبت شبانہ کے ظاہر نشاں ہنوز
اے موجہ نسیم! زرا اور ٹھہر جا
ہے خاک پر ہماری وہ دامن فشاں ہنوز
میخانے میں تمام جوانی بسر ہوئی
لیکن ملا نہ منصب پیر مغاں ہونوز
آتا ہوں میں وہیں سے، زرا صبر! شیفتہ
سونے کے قصد میں نہیں پاسباں ہنوز

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز
کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز

وجد کرتے ہیں، پی کے مئے، صوفی
مست سوتے ہیں صبح تک، شب خیز
رند کیا؟ یاں تو شاہد و مئے، سے
پارسا کو نہیں گزیر و گریز
سکت مشکل ہے ایسی عشرت میں
خطرِ حشر و بیم رستا خیز
ہے غریبوں کو جرات فرھاد
ہے فقیروں کو عشرت پرویز
عیش نے یاں بٹھا دیا ناقہ
غم نے کی یاں سے رخش کو مہمیز
کوئی یاں غم کو جانتا بھی نہیں
جُز غم عشق، سو ہے عیش آمیز
باد صرصر یہاں نسیم چمن
نارِ عنصر سے آتش گل، تیز
بوستاں کی طرح یہاں صحرا
دل کشا، دل پزیر، دل اویز
کوئی پامال جور چرخ نہیں
کتنی ہے یہ زمیں راحت خیز
اثر زھرہ اُس میں یاں پایا
وہ جو مریخ ہے بڑا خوں ریز
شیفتہ، تھام لو عنان قلم یہ زمیں گرچہ ہے ہوسانگیز

☆

دور رھنا ھم سے کب تک اور بیگانے کے پاس
ھیں قریب مرگ کیا اب بھی نہیں آنے کے پاس

جلوہ آرا بس کہ تھا وہ شمع سیمیا رات کو
ھم بھی مر کر رہ گیئے مجلس میں پروانے کے پاس

آفریں چغیا ن وحشت مرحبا جو ش جنوں
وہ یہ کہتے ھیں کہ کیوں کر جائیں دیوانے کے پاس

غیر سے کہوائیں یاروں سے سمجھوائیں گے ھم
دیکھ لیں گے پھر کہ تم کیوں کر نہیں آنے کے پاس

شیفتہ نے قصۂ مجنوں سنایا رات کو
آگیا میرا اُنھیں سنتے ھی افسانے کے پاس

☆

اُٹھے نہ چھور کے ھم آستان بادہ فروش
طلسم ھوش ربا ھے دکان بادہ فروش

کھلا جو پردۂ روئے حقائق اشیاء
کھلی حقیقت تاز نہان بادہ فروش

فسردہ طینتی و کاھلی دے ھم نے کبھی
شباب میں بھی نہ دیکھی دکان بادہ فروش

یقین ھے کہ مئے مراد اور مئے سے عشق غرض
میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبان بادہ فروش

مئے و سرود کے اسرار آپ آکر دیکھ
نہ پوچھ مجھ سے کہ ھوں راز دان بادہ فروش

شراب دیکھ کہ کس رنگ کی پلاتا ھے
جز اس کے اور نہیں امتحان بادہ فروش
تری شمیم نے گل زار کو کیا برباد
نری نگاہ نے کھوئی دکانِ بادہ فروش
عبث ھے شیفتہ ھر اک سے پوچھتے پھرنا
ملے نگاہ بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش

اُن کو دشمن سے ھے محبت خاص
یہ ھمارا ھے شمرۂ اخلاص
وجد میں لائے اھل درد ھمیں
باد کے ساتھ خاک ھے رقاص
دل کے ٹکڑے اُڑا نہیں ھے گناہ
نفس کو قتل کر نہیں ھے قصاص
حسن باطسن زبونی ظاھر
ھے مئے ناب اور جسامِ رصاص
کیا مزا تم سے آشنائی کا
ما شِر بتُم مدامتہ الاخلاص
ھجر زھر اور وصل ھے خواص
زھر و تریاق کا جدا ھے خواص
قسمت اُس کی خبر نہ ھو جس کو
عام اس دور میں ھے بادۂ خاص
دام اس سے تیرے موسمِ گل میں

بلبلوں کو نہیں ھوائے خلاس
شیفتہ نے ہماری داد نہ دی
سچ ہے القاص لایُحِبُ القاص☆

ہے دل کو یُوں ترے دمِ اعجاز اثر سے فیض
غنچے کو جیسے موجہ بادِ سحر سے فیض
عشاق سے نگاہ نہ رکھو دریغ تم
پاتے ہیں لوگ، خدمتِ اھلِ نظر سے فیض
ہے عالمِ کبیر میں بھی یوں ہی، جس طرح
دل سے جگر کو فیض ہے، دل کو جگر سے فیض
ایک قصہ گو دوسرے قصہ گو کو پسند نہیں کرتا
آزردہ جفائے دئے و تیر کو نہیں
بیت ذرہ آب و آتش و لعل و گہر سے فیض
اپنے نہاد میں نہیں احساں فرامُشی
پایا ہے ہم نے صاعقے کا ابرِ تر سے فیض
زر کسب کر کہ عشرت خسرو نصیب ہو
فرہاد کو، سنا ہے، ہوا جو ہنر سے فیض
لگتے ہیں اُس کے سینہ و بر سے مدام، ہم
ہوتا ہے ہم کو، روز، مہ سیم برو سے فیض
اربابِ خانقاہ ہیں محتاجِ اغنیاء
کافی ہے ہم کو پیرِ مغاں! تیرے در سے فیض
بلبل! ہمارے گھر وہ خود آتے ہیں رحم سے

افزوں ہے، بے پری میں یہاں بال و پر سے، فیض
خرم نہاد مے کش و زاہد شگفتہ دل
ہے، شیفتہ، ہر ایک کو وقتِ سحر سے فیض

لازم ہے، بے وفا، تجھے اہلِ وفا سے ربط
کیسا ہے، دیکھ! عکسِ ادا کو ادا سے ربط؟
یہ ناخن و خراش میں بگڑی کہ کیا کہوں
اک دم ہوا جو عقدۂ بندِ قبا سے ربط
ناصح! مری ملامتِ بے جا سے فائدہ؟
بے اختیار دل کو ہے اُس دل ربا سے ربط
اُس سرد مہر کو ہو اثر، پر جو ہو سکے
کام و دھاں کو میرے، دمِ شعلہ زا سے ربط
کیجیے گر اُن سے شکوۂ انجامِ کارِ عشق
کہتے ہیں: ”مجھ کو تم سے نہ تھا ابتدا سے ربط“
دو دن میں تنگ ہو گئے جورِ سپہر سے
اس حوصلے پہ کرتے تھے اُس کی جفا سے ربط
کیا کیئے، بدگمانی، اُبرو کا دھیان ہے
کرتے، وگرنہ، ہجر مُں، تیغ، قضا سے ربط
تیرے ستم سے، ہے یہ دعا لب پہ، دم بہ دم
یا رب! نہ ہو کسی کو کسی بے وفا سے ربط
صبحِ شبِ فراق، کیا لطف، مرگ نے
کیا دیر میں ہوا ہمُن زود آشنا سے ربط؟

فریادِ نزع، کان تک اس کے، نہ جا سکی
تھا، شیفتہ، ہمیں نفسِ نارسا سے ربط

ترے فسوں کی، نہیں میرے دل میں جا، واعظ!
صنم پرست نہ ہو بغدہ ریا، واعظ!
کسی صنم نے مگر آپ کو جلایا ہے
نہیں تو حُوروں کی کیوں اس قدر ثنا؟ واعظ!
تمہارے حسنِ جہاں سوز سے میں جلتا ہوں
کہ ہیں رقیب مرے شیخ و پارسا، واعظ
ملا کے دیکھیں کہ ہے خوب کون دونوں میں؟
ہم اُس کو لاتے ہیں، تو حور کو بلا، واعظ!
ترے فسون اثر ریز سے رسا تر ہے
فغان بے اثر و آہِ نارسا، واعظ!
کمی تھی حالتِ رندی میں اس کو کیا؟ یارو!
کوئی یہ پوچھے کہ'' کیوں شیفتہ بنا واعظ؟''

خورشید کو، اگرچہ، نہ پہنچی ضیائے شمع
پروانے کو پسند نہیں پر سوائے شمع
اس تیرہ روز گار میں مجھ سا جگر گداز
مشعل جلا کے ڈھونڈے اگر، تو نہ پائے، شمع
روزِ فراق میں ہے قیامت، جمالِ گل
شب ہائے ہجر میں ہے مصیبت، لقائے شمع

پروانے کیا خجل ہوئے؟ دیکھا جو صبح کو
تھا شب کو اس کی بزم میں خورشید، جائے شمع

اس رشکِ شمع و گل کی ہے کچھ اب و تاب اور
دیکھے ہیں جلوہ ہائے گل و شعلہ ہائے شمع

دیتی ہے اور گرمی، پروانہ داغِ رشک
شب ہائے ہجر میں کوئی کیوں کر جلائے شمع؟

کیا حاجت آفتاب کے گھر میں چراغ کی؟
ہے حکم، ''شب کو بزم میں کوئی نہ لائے شمع''

اُس لعلِ بے بہا سے کہاں تابِ ہم سری؟
روشن ہے سب پہ قیمت گل اور بہائے شمع

خورشید جس کے جلوے سے ہو شمعِ صبح دم
کیا ٹھہرے اس کے سامنے نور و ضیائے شمع؟

اس تیرہ شب میں جائیں گے کیوں کر عدو کے گھر؟
میرا رقیب وہ ہے، جو اُن کو دکھائے شمع

آتے ہیں وہ جو گور پہ میری، تو بہرِ زیب
کوئی نہ پھول لائے، نہ کوئی منگائے شمع

گل، پر لگا کے، آپ سے پہنچیں گے، بے طلب
آئے گی اپنے پاؤں سے یاں، بن بلائے، شمع

ڈر ہے، اُٹھا نہ دیکھیں وہ بزمِ عیش سے
کیا تاب ہے کہ شیفتہ، آنو بہائے شمع

کیا غیر تھا کہ شب کو نہ تھا جلوہ گر چراغ؟
رہتا ہے، وورنہ، گھر میں ترے، تا سحر، چراغ

کیا لطفِ آہ، صبحِ شبِ ہجر، مہروش؟
کیا فائدہ جو کیجیے روشن، سحر، چراغ؟

پروانہ گر نہ جائے تو بے جا ہے لافِ عشق
روشن ہے میرے نالوں سے افلاک پر چراغ

حربا کرے طریقہ پروانہ اختیار
اُس تابِ رخ سے کیجیے روشن اگر چراغ!

پروانہ ہو گیا ہے رقیبِ کتاں، کہ ہے
اُس مہروش کے جلوے کے آگے قمر، چراغ

گستاخیوں کی تاب کسے اس کی بزم میں؟
بے باکی، نسیم سے ہرگز نہ ڈر، چراغ!

ہے شمعِ انجمن، وہ مہ آتشیں عذار
گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ

کرتا ہوں فکرِ شعر جو میں شب کو شیفتہ
رہتا ہے خواب گہ میں مری رات بھر چراغ

واں ہوا پردہ اٹھانا موقوف
یاں ہوا راز چھپانا موقوف

غیر کو رشک سے کیا آگ لگے؟
کہ ہوا میرا جلانا موقوف

ذکر شیریں کی اگر بندی ہے
گوہ کن کا بھی، فسانا موقوف

رمِ آہو سے وہ رم یاد آیا
دشت و صحرا میں بھی جانا موقوف

بد دماغ آج ہوا وہ گل رو
شیفتہ، عطر لگانا موقوف

☆

پابندی، وحشت میں ہیں زنجیر کے مشتاق
دیوانے ہیں اُس زلفِ گرہ گیر کے مشتاق

بے رحم، نہیں جرمِ وفا قابلِ بخشش
محروم ہیں کس واسطے تعزیر کے مشتاق

رہتے تھے بہم جن سے، مثالِ ورق و حرف
اب، ان کی رہا کرتے ہیں تحریر کے مشتاق

لکھتا ہوں جو میں آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیرے کے مشتاق

کیوں قتل میں عشاق کے، اتنا ہے تغافل؟
مر جائیں گے ظالم! دمِ شمشیر کے مشتاق

اے آہ! ذرا شرم کہ وہ کہتے ہیں اکثر
"مدت سے ہیں ہم اہ کی تاثیر کے مشتاق"

سیماب تھا دل، جل کے سو اب خاک ہوا ہے
لے جائیں مری خاک کو، اکسیر کے مشتاق

کیا ہجر کے دن آنے میں ہے عذر؟ سنیں تو

ہم ہیں ملک الموت کی تقریر کے مشتاق
دل سرد ہوا، سن کے ترے نالہ موزوں
تھے، شیفتہ، ہم محسنِ تاثیر کے مشتاق

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آ کے لب تلک؟
ہم آرزوئے بوسہ بہ پیغام اب تلک!
کہتے ہیں بے وفا مجھے، میں نے جو یہ کہا
''مرتے رہیں گے آپ پہ، جیتے ہیں جب تلک''
تمکینِ حسن ہے کہ نہ بے تاب ہو سکا
خلوت میں بھی کوئی، قلقِ بے ادب تلک
آ جائے کاش موت ہی، تسکین ہو نہ ہو
ہر وقت بے قرار رہے کوئی کب تلک؟
وہ چشمِ التفات کہاں اب؟ جو اس طرف
دیکھیں، کہ ہے دریغ نگاہِ غضب تلک
ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
پہنچاؤ یہ پیام اجلِ جاں طلب تلک
مایوس لطف سے نہ کر، اے دشمنی شعار!
اُمید سے اٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک
یاں عجز بے ریا ہے، نہ واں ناز دل فریب
شکرِ بجا رہا گلہ بے سبب تلک
ایسی ہی بے قراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ! ہم آج نہیں بچتے شب تلک

☆

طالعِ خفتہ دشمن نہ جگانا شبِ وصل
دیکھ، اے مرغِ سحر! غل نہ مچانا شبِ وصل

اُن کو منظور نہیں نیند کا آنا شبِ وصل
اس لیے کہتے ہیں غیروں کا فسانا شبِ وصل

صبر پروانے کا مجھ پر نہ پڑے، ڈرتا ہوں
ماہ رو! شمع کو ہرگز نہ جلانا شبِ وصل

خواہشِ کامِ دل اتنی نہ کر، اے شوق! کہ وہ
ڈھونڈتے ہیں چلے جانے کو بہانا شبِ وصل

آپ منت سے بلانے تجھے کیوں کر آؤں؟
غیر کے گھر میں ہے تیرا تو ٹھکانا شبِ وصل

شان میں، صحبت ناکس سے، خلل آتا ہے
صبحِ ہجراں کو بس اب منہ نہ لگانا، شبِ وصل!

تیرگی بختِ سیہ سے مری لے جا کہ ضرور
جلوہ اُس مہر لقا کا ہے چھپانا شبِ وصل

روزِ ہجراں میں اُٹھے جاتے ہو کیوں دنیا سے؟
شیفتہ، اور بھی تم لطف اُٹھانا شبِ وصل

☆

اصحابِ درد کو ہے عجب تیزی خیال
مثلِ زبانِ نطق، قلم کی زبانِ حال

عہدِ وفا کیا ہے، نباہیں گے، شک عبث!
وعدہ کیا ہے، آئیں گے، بے جا ہے احتمال

کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہے؟
یا ایُّھا الَّذین سکنتُم علیٰ الجِبَال☆
ناز و غرور ٹھیک ہے، جور و جفا دوست
کس کو ہوا نصیب یہ حسن اور یہ جمال؟
ساقی! پلا وہ بادہ کہ غلفت ہو آگہی
مطرب! سنا وہ نغمہ کہ ہو جس سے قال، حال
ہم اگلے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں
جتنا زیادہ شغل، زیادہ فراغ بال
اہل طریق کی بھی روش، سب سے ہے الگ
جتنا زیادہ شغل، زیادہ فراغ بال

☆ اے وہ لوگو، جو پہاڑوں پر رہتے ہو۔
☆☆ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں۔

ہنگامہ عہد، کام میں لائے وہ ایسے لفظ
جن کو معانی متعدد پر اشتمال
ما ذا لَتَبُھُن و اَنتن فی البُیُوت
ما ذا لَتفعَلن و اَتُن فی الحجال☆

ق

یہ بات تو غلط ہے کہ دیوانِ شیفتہ
ہے نسخہ معارف و مجموعہ کمال
لیکن مبالغہ تو ہے، البتہ اس میں کم
ہاں! ذکر خد و خال اگر ہے، تو خال خال

☆

یاں کے آنے میں نہیں اُن کو جو تمکیں کا خیال
غالباً کچھ تو ہوا ہے مری تسکیں کا خیال
کفِ افسوس ملے سے بھی پڑے ہاتھ میں نقش
بس کہ ہے دل میں مرے، دستِ نگاریں کا خیال
گہ مجھے ''عاشقِ مفلس'' وہ کہیں طعنے سے
تو بھی کیوں کر نہ رکھوں ساعدِ سیمیں کا خیال؟

☆ اے محبواؤ! تم کیسے لوٹ مار کرتی ہو، جب کہ تم گھروں میں ہوتی ہو اور تم کیسے قتل کرتی ہو، جب کہ تم چھپر کھٹ میں ہوتی ہو

تعزیت کو مری وہ آئے، تو کیا ذلت ہے!
اہلِ ماتم کو نہیں بزم کی تزئیں کا خیال
کیوں نہ ہو دستِ مژہ ماتمیوں کا رنگیں؟
مرتے دم، تھا مجھے اُس پنجہ رنگیں کا خیال
سخنِ عشق ہے پتھر کی لکیر، اے پرویز!
دلِ فرہاد کیوں کر مٹے شیریں کا خیال
کیا مسلمان ہیں ہم شیفتہ، سبحان اللہ!
دل سے جاتا نہیں دم بھر بُتِ بے دیں کا خیال

☆

بلبل کو بھی نہیں ہیدماغِ صدائے گل
بگڑی ہے تیرے دور میں، ایسی ہوائے گل
ہنگامِ غش، جو غیر کو اس نے سنگھائے گل
جنت میں لے چلی مری جاں کو، ہوائے گل

ایماء ہے بعدِ مرگ بھی ہم بے وفا رہے
اس واسطے مزار پہ میرے چڑھائے گل

مرتی ہیں گل کے نام ہی پر بلبلیں کہ اب
پھرتی ہیں ساتھ ساتھ مرے، جب سے کھائے گل

کھٹکوں عدو کی آنکھ میں تابعد معگ بھی
کانٹے مرے مزار پہ رکھنا بجائے گل

کس کس طرح سے کھوئے گئے غیر، کیا کہوں؟
روزِ جزا بھی سینے پہ میرے، ج پائے گل

جلتی ہے تیرے حسن جہاں سوز سے بہار
نکلیں گے شعلے، خاکِ چمن سے بجائے گل

آخر دورنگی اس گلِ رعنا پہ کھل گئی
لوگوں کو دیکھ کر جو عدو نے چھپائے گل

عاشق سے پہلے راہِ محبت میں جان دی
کیوں کر نہ عندلیب کرے جاں فدائے گل؟

خاموش، عندلیب! کہ طاقت نہیں رہی
ہیں چاک پردے کان کے، مثلِ قبائے گل

شاید کھانے لائے گا اُس کو کہ غیر نے
بستر پہ مریے، کانٹوں کے بدلے، بچھائے گل

جس گل میں ہے ادا، وہ چمن میں بھلا کہاں؟
اے بلبلو! تمہی کو مبارک ہوائے گل

میرا اُنہی کو غم ہے کہ بلبل کی آہ پر
کرتا ہے کون چاک گریباں سائے گل؟

جنت میں پہنچیں، بلبلیں، پروانے جل گئے
اب کون شمع گور پر اور کون لائے گل؟
اک گل کا شوق تھا سبب اپنی وفات کا
پھولوں کے دن مرے رفقاء نے منگائے گل
لکھی یہ ہم نے وہ غزلِ تازہ شیفتہ
ہر شعر جس میں داغ دہِ دستہ ہائے گل

☆

گہ ہم سے خفا وہ ہیں، گہے ان سے خفا ہم
مدت سے اسی طرح نبھے جاتی ہے باہم
کرتے ہیں غلط بار سے اظہارِ وفا، ہم
ثابت جو ہوا عشق، کجا یار، کجا ہم؟
کچھ نشہ مے سے نہیں کم، نشہ نخوت
تقویٰ مُن بھی صہبا کا اٹھاتے ہیں مزا ہم
موجود ہے جو، لاؤ! جو مطلوب ہے، وہ لو!
مشتاقِ وفا تم ہو، طلب گارِ جفا ہم
نے طبع پریشاں تھی، نہ خاطرِ متفرق
وہ دن بھی عجب تھے کہ ہم اور آپ تھے باہم!
کیا کرتے ہیں، کیا سنتے ہیں، کیا دیکھتے ہیں، ہائے!
اس شوخ کے جب کھولتے ہیں بندِ قبا، ہم
یہ طرزِ ترنم کہیں زنہار نہ ڈھونڈو
اے شیفتہ! یا مرغِ چمن رکھتے ہیں، یا ہم

☆

مر گئے جورِ ہجرِ یار میں ہم
سخت بے تاب ہیں مزار میں ہم

☆ یہ غزل مخطوطہ دیوان کی ترتیب کے بعد کہی گئی ہے اور اس کے حاشیے پر ہے۔

تا، دلِ کینہ ور میں پائیں جگہ
خاک ہو کر، ملے غبار میں ہم
آمد آمد اس قدر شورش
دیکھیے! کیا کریں بہار میں ہم؟
وہ تو سو بار اختیار میں ااے
پر نہیں اپنے اختیار میں ہم
کب ہوئے خارِ راہِ غیر، بھلا؟
کیوں کھٹکھتے ہیں چشمِ یار میں ہم؟
کوئے دشمن میں ہو گئے پامال
آمد ورفتِ بار بار میں ہم
نعش پر تو، خدا کے واسطے آ
مر گئے تیرے انتظار میں ہم
گر نہیں شیفتہ، خیالِ فراق
کیوں تڑپتے ہیں وصلِ یار میں ہم؟

☆

مطبوع یار کو ہے جفاء اور جفا کو ہم
کہتی ہے بد عدو کو وفا، اور وفا کو ہم
دشنام بھی سنی نہ تمہاری زبان سے
ہے کوتی اثر کو دعا، اور دعا کو ہم

افغانِ چرخ رس کی لپٹ نے جلا دیا
نامے کو ڈھونڈتی ہے صبا اور صبا کو ہم

لاتا ہے ظنِ نسیم تبسم سے جوش میں
دل کو قلق، قلق کو بُکا، اور بُکا کو ہم

درماں، مریضِ غم کا ترے، کچھ نہ ہو سکا
چھیڑے ہے چارہ گر کو دوا، اور دوا کو ہم

پھر کیوں نہ دیکھنے سے عدو کے ہو منفعل
پھر اس کو روکتی ہے حیا، اور حیا کو ہم

ہیں جاں بہ لب، کسی کے اشارے کی دیر ہے
دیکھے ہے اُس نگہ کو قضا، اور قضا کو ہم

ہے آرزوئے شربتِ مرگ اب تو شیفتہ
لگتی ہے زہر ہم کو شفا، اور شفا کو ہم

☆

بچتے ہیں اس قدر جو اُدھر کی ہوا سے ہم
واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم

افشائے رازِ عشق میں ضرب المثل ہے وہ
کیوں کہ غبار دل میں نہ رکھیں صبا سے ہم

چلتے ہیں مے کدے کو، کہاں یہ عزیز واں؟
رخصت تو ہو لیں کبر و نفاق و ریا سے ہم

اے جوشِ رشک قربِ عدو! اب تو مت اٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ! بزم میں کس التجا سے ہم

ہے جامہ پارہ پارہ، دل و سینہ چاک چاک

دیوانہ ہو گئے گلِ جیبِ قبا سے ہم
کیا جانتے تھے، صبح، وہ محشر قد آئے گا؟
شامِ شبِ فراق نہ مرتے، بلا سے، ہم
ہر بات پر نگاہ ہماری ہے اصل پر
لیتے ہیں مشک، زخم کو، زلفِ دوتا سے ہم
بیگانہ جب سے یار ہوا ہے رقیب سے
اُمید قطع کر چکے ہر آشنا سے ہم
بُلبل یہ کہ رہی ہے سرِ شاخسار پر
"بدمست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم"
کم التفات ہم سے، سمجھتے ہیں اہلِ بز،
شرمندہ ہو گئے تری شرم و حیا سے ہم
ہاں! شیفتہ، پھر اس میں نصیحت ہی کیوں نہ ہو؟
سنتے ہیں حرفِ تلخ کو سمعِ رضا سے ہم

کم فہم ہیں، تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم
دانائیوں سے اچھے ہیں نادانیوں میں ہم
شاید رقیب ڈوب مریں بحرِ شرم میں
ڈوبیں گے موجِ رشک کی طغیانیوں میں ہم
محتاجِ فیضِ نایہ کیوں ہوتے اس قدر
کرتے جو سوچ کچھ، جگر افشانیوں میں ہم
پہنچائی ہم نے مشق یہاں تک کہ ہو گئے
اُستادِ عندلیب، نوا خوانیوں میں ہم

غیروں کے ساتھ آپ بھی اُٹھے ہیں بزم سے
لو! میزبان بن گئے مہمانیوں میں ہم

جن جن کے تو مزار سے گزرا، وہ جی اٹھے
باقی رہے ہیں ایک ترے فانیوں میں ہم

گستاخیوں سے غیر کی، ان کو ملال ہے
مشہور ہوتے کاش! ادب دانیوں میں ہم

دیکھا جو زلفِ یار کو، تسکین ہو گئی
یک چند مضطرب تھے پریشانیوں میں ہم

آنکھوں سے یوں اشارہ دشمن نہ دیکھتے
ہوتے نہ اس قدر جو نگہابیوں میں ہم

جو جان کھو کے جائیں، تو فوزِ عظیم ہے
وہ چیز ڈھونڈتے ہیں تن آسانیوں میں ہم

پیرِ مغاں کے فیضِ توجہ سے، شیفتہ!
اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

کیوں نہ اُڑ جائے مرا خواب ترے کوچے میں؟
فرش ہے مخمل و کم خواب ترے کوچے میں

دولتِ حسن یہاں تک تو لٹائی ظالم!
اشک ہے گوہرِ نایاب ترے کوچے میں

جو ششِ گریہ عشاق سے اک دم میں ہوا
شکرِ سوختہ شادات ترے کوچے میں

ہوش کا پاؤں جو یاں آکے پھسل جاتا ہے

کیا لنڈہائی ہے مئے ناب ترے کوچے میں؟
ہے کفِ پائے عدو، پا سے ترے، رنگیں تر
بس کہ ہم روتے ہیں خوں ناب ترے کوچے میں
گوشہ گیری سے بھی گردش نہ گئی طالع کی
پھرتے ہیں صورتِ دولاب ترے کوچے میں
غیر نے سنگ جو پھینکے، وہ ہوئے بالشِ سر
چین سے کرتے ہیں ہم خواب ترے کوچے میں
وہ بھی محروم نہیں، جن کو نہیں بزم میں بار
تیرے رخسار کی ہے تاب ترے کوچے میں
چل دیا شیفتہ، سودے میں، خدا جانے کہاں؟
ڈھونڈتے پھرتے ہیں احباب ترے کوچے میں

☆

کچھ درد ہے مطربوں کی لَے میں
کچھ آگ بھری ہوئی ہے نَے میں
کچھ زہر اُگل رہی ہے بلبل
کچھ زہرملا ہوا ہے مَے میں
بد مست جہان ہو رہا ہے
ہے یار کی بُو ہر ایک شَے میں
ہیں ایک ہی گل کی سب بہاریں
فرور دیں میں اور فصل دَے میں
ہے مستی نسیم خام کا ڈر
اصرار ہے جامِ پے بہ پے میں

مَے خانہ نشیں قدم نہ رکھیں
بزمِ جم و بارگاہ کے میں
اب تک زندہ ہے نام واں کا
گزرا ہے حسین ایک جَے میں
ہوتی نہیں طے، حکایتِ طَے
گزرا ہے کریم ایک طَے میں
کچھ، شفتہ، یہ غزل ہے آفت
کچھ درد ہے مطربوں کی لَے میں

روز خوں ہوتے ہیں دو چار ترے کوچے میں
ایک ہنگامہ ہے اے یار! تے کوچے میں
فرش رہ ہیں دل افگار ترے کوچے میں
خاک ہو رونق، گل زار ترے کوچے میں
سرفروش آتے ہیں، اے یار! تے کوچے میں
گرم ہے موت کا بازار ترے کوچے میں
شعر میں اب نہ کہوں گا کہ کوئی پڑھتا تھا
اپنے حالی مرے اشعار ترے کوچے میں
نہ ملا ہم کو کہیں تیری گلی میں آرام
نہ ہوا ہم پہ جز آزار ترے کوچے میں
ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا
لے گیا شوقِ غلط کار ترے کوچے میں
تو ہے اور غیر کے گھر میں جلوہ طرازی کی ہوس

ہم ہیں اور حسرتِ دیدار ترے کوچے میں
ہم بھی وارستہ مزاجی کے ہیں اپنی قائل
خُلد میں روح، تنِ زار ترے کوچے میں
کیا تجاھل سے یہ کہتا ہے: ''کہاں رہتے ہو؟''
''تیرے کوچے میں، ستم گار! ترے کوچے میں!''
شیفتہ ایک نہ ااک تو نہ آیا، کیا ہے؟
روز آ رہتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

☆

شکوہ جفا کا کیجیے، تو کہتے ہیں: ''کیا کروں؟
تم سے وفا کروں کہ عدو سے وفا کروں!''
گلشن میں چل کے بندِ قبا تیرے، وار کروں
جی چاہتا ہے: جامہ گل کو قبا کروں
آتا ہوں پیرِ دیر کی خدمت سے مست مَیں
ہاں، زاہدو! تمھارے لیے کیا دعا کروں؟
جوشِ فغاں! وداع کہ منظور ہے انھیں
دل نذرِ کاوشِ نگہِ سرمہ سا کروں
نفرین بے شمار ہے اس عدو سہو پر
گر ایک مَیں صواب کروں، سو خطا کروں
مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال
کیا شرحِ حالتِ دلِ درد آشنا کروں؟
تم دل ربا ہو، دل کو اگر لے گئے، تو کیا
جب کاہ ہو کے میں اثرِ کہربا کروں

All rights reserved. ©2002-2006

اے چارہ ساز! لطف کہ تو چارہ گر نہیں
بس اے بطیّب! رحم کہ دل کی دوا کروں

پیتا ہوں میں مدام مئے نابِ معرفت
اصل شرور و اُمِ خبائث کو کیا کروں؟

یا اپنے جوشِ عشوہ پیہم کو تھامیے
یا کہیے! میں بھی نالہِ شورش فزا کروں

میں جل گیا، وہ غیر کے گھر جو چلے گئے
شعلے سے استعارہ آوازِ پا کروں

ڈر ہے کہ ہو نہ شوقِ مزامیر شیفتہ
ورنہ کبھی سماعِ مجرد سنا کروں

مانا! سحر کو یار اُسے یاں جلوہ گر کریں
طاقت ہمیں کہاں کہ شبِ غم سحر کریں؟

تزئین میری گور کی لازم ہے خوب سی
تقریبِ سیر ہی سے وہ شاید گزر کریں

اب ایک اشک ہے دُرِ نایاب، وہ کہاں؟
تارِ نظر جو گرے سے سلک گہر کریں

وہ دوست ہیں، انہیں جو اثر ہو گیا، تو کیا؟
نالے ہیں وہ، جو غیر کے دل میں اثر کریں

آئے تو اُن کو رنج، نہ آئے تو مجھ کو رنج
مرنے کی میرے، کاش! نہ اُن کو خبر کریں

ہے جی میں، سونگھیں نکہتِ گل، جا کے باغ میں

بس! کب تک التجائے نسیمِ سحر کریں؟
اب کے ارادہ ملکِ عدم کا ہے شیفتہ
گھبرا گئے کہ ایک جگہ کیا بسر کریں؟

شب وصل کی بھی، چین سیکیوں کر بسر کریں؟
جب یوں نگاہ بانی مرغِ سحر کریں
محفل میں اک نگاہ اگر وہ ادھر کریں
سو سو اشارے غیر سے پھر رات بھر کریں
طوفانِ نوح لانے سے، اے چشم! فائدہ؟
دو اشک بھی بہت ہیں، اگر کچھ اثر کریں
آز و ہوس سے خلق ہوا ہے یہ نامراد
دل پر نگاہ کیا ہے؟ وہ مجھ پر نظر کریں!
کچھ اب کے ہم سے بولے تو یہ جی میں ہیکہ پھر
ناصح کو بھی رقیب سے آزردہ تر کریں
واں ہے وہ نغمہ، جس سے کہ حوروں کیہوش جائیں
یاں ہے وہ نالہ، جس سے فرشتے حزر کریں
اھلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں؟

کب ہاتھ کو خیالِ جزائے رفو نہیں؟
کب پارہ پارہ پیرہنِ چارہ جُو نہیں؟
گل گشتِ باغ کس چمن آرا نے کی؟ کہ اج

موجِ بہار، مدعیِ رنگ و بُو نہیں
واں، بار ہا گیا ہے نزاکت سے ناز بھی
یاں، ضعف سے دماغ و دلِ آرزو نہیں
کس نے سنا دیا دلِ حیرت زدہ کا حال؟
یہ کیا ہوا کہ آئینہ اب رو بہ رو نہیں؟
تغیرِ رنگ کہتی ہے وصلِ عدو کا حال
یعنی، نقاب، رخ پہ، کبھو ہے، کبھو نہیں
گستاخِ شکوہ کیا ہوں؟ کہ اندازِ عرض پر
کہتے ہیں: ”اختلاط کی بندے کو خُو نہیں“
کیا جانے دردِ زخم کو، گو ہو شہید ناز
جو نیم کشت خنجرِ رشکِ عدو نہیں
ابرِ شرشک و گلشنِ داغ و نسیمِ آہ
سامانِ عیش سب ہے، پر افسوس! تو نہیں
بد خوئیوں سے یار کی کیا خوش ہوں شیفتہ؟
ہر ایک کو جو حوصلہ آرزو نہیں

☆

کچھ اور، بے دلی کے سوا، آرزو نہیں
اے دل! یقین جان کہ ہم ہیں، تو تُو نہیں
بے اشکِ لالہ گوں بھی، میں بے آبرو نہیں
آنسو میں رنگ کیا ہو؟ کہ دل میں لہو نہیں
پھر بھی کہو گے: ”چھیڑنے کی اپنی خو نہیں“
عطرِ سہاگ ملتے ہو وہ، جس میں بو نہیں

یہ کیا کہا کہ ”بکتے ہو کیوں آپ ہی آپ تم“
”ہے ہم نشیں، مگر وہ مرے رو بہ رو نہیں“

بے طاقتی نے کام سے یہ کھو دیا کہ بس!
دل گم ہوا ہے اور سرِ جستجو نہیں

محفل میں لحظہ لحظہ وہ چشمِ ستیزہ خو
لڑتی ہیں کیوں؟ اگر سرِ صلحِ عدو نہیں

کیا جوشِ انتظار میں ہر سمت دوڑ ہے؟
بدنامیوں سے ہائے! گزر ایک سو نہیں

دی کس نے اشکِ سرمہ سے تیغِ مژہ کو آب؟
شورِ نغاں کو فکرِ خراشِ گلو نہیں

یہ پیچ و تاب میں، شبِ غ، ، بے حواسیاں
اے دل! خیالِ طرہ تابیدہ مو نہیں؟

دستِ جنوں نے جامہ ہستی، قبا کیا
اب ہائے! چارہ گر کو خیالِ رفو نہیں

شکرِ ستم بھی راس نہ ایا ہمیں کہ اب
کہتے ہیں وہ کہ” لائقِ الطاف تو نہیں“

ہو جائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو؟
کیا اپ کا نشانِ قدم کُو بہ کُو نہیں؟

نیرنگیوں نے تیری، یہ حالت تغیر کی
اُمید زندگی کی کبھو ہے، کبھو نہیں

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا، شیفتہ
اُس گل پہ غش ہیں، جس میں محبت کی بو نہیں

☆

☆ ہم سے آزاد روش ہاتھ میں زر رکھتے ہیں
کیا قیامت ہے! کہ اب سرو، ثمر رکھتے ہیں
شکر میں وصل کی شب کے، قفسِ چرغ سے ہم
فکرِ آزادیِ مرغانِ سحر رکھتے ہیں
نہ مذمت کا تحمل، نہ ثنا کی خواہش
عیب رکھتے ہیں نہ ہم کچھ، نہ ہنر رکھتے ہیں

☆مخطوطہ نسخے کے بعد کی غزل ہے اور اس کے حاشیے پر درج ہے۔

دل ترا سنگ ہے، پر آگ کہاں ہے اس میں!
دل ہمارا ہے کہ شیشے میں شرر رکھتے ہیں
آہ و زاری کی مصیبت سے بہت سہل چھٹے
بذلہ و ہذل ترے دل میں اثر رکھتے ہیں
نہ ہمارا کوئی دشمن، نہ ہمارا کوئی دوست
وہ نظر اور ہے، جو اہلِ نظر رکھتے ہیں
بے خودی ہم کو ہے اور ان کو خود آرائی ہے
نہ ہماری وہ، نہ ہم اُن کی خبر رکھتے ہیں
شیفتہ، ہم سے ہو جس شخص کو ملنا، مل لے
صبح اس شہر سے ہم عزمِ سفر رکھتے ہیں

☆

گرم جوشی ہے، مگر فرق شرارت میں نہیں
چھیڑ کس بات میں، طعنہ کس اشارت میں نہیں؟
رات، ساقی نے کہا: ”جس کے یہ سب جلوہیں

وہ عبارت میں نہیں اور اشارت میں نہیں"
ہم کو مقصد سے زیادہ ہے ادب میں کوشش
ورنہ، کچھ غیر سوا ہم سے جسارت میں نہیں
رند فارغ بھی ہوئے جامِ سحر گاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں

فرحتِ نفس جو وہ ہے، تو یہ ہے راحتِ روح
کیا بزرگی میں مزا ہے جو حقارت میں نہیں؟
اہلِ دانش کے فوائد کی تو کیا بات، مگر
غور سے دیکھو، تو عاشق بھی خسارت میں نہیں
جامِ مَے دے! کہ وہاں کام پڑا ہے مجھ کو
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں
قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جسے امرِ عظیم
یہ تو داخل بھی وہاں ناز و شرارت میں نہیں
دل کے بدلے میں، طلب گار نہیں کچھ تم سے
شیفتہ زمرہ اصحابِ تجارت میں نہیں

نہ سجدہ ریز ہیں اعداء، جو سر جھکاتے ہیں
ترا، فریب سے، نقشِ قدم مٹاتے ہیں!
چراغِ وقف، محبت نے کر دیا افسوس!
کہ مجھ کو اپنے پرائے، سبھی جلاتے ہیں
جو ان سے نقشہ صحبت یہی رہا چندے

تو دیکھ لو گے کہ ہم نقش کیا بٹھاتے ہیں؟
میں اس کے لطف کی باتوں کے دھیان میں چپ ہوں
کہاں ہے غش، رفقاء عطیر کیوں سنگھاتے ہیں؟
شبِ وصال میں تا کیفیت اُٹھا نہ سکوں
وہ مجھ کو ساغرِ مَے متصل پلاتے ہیں
تمہاری بات میں کیا آگیا ہے، شیفتہ، فرق؟
کہ مدعی بھی کچھ اب مدعا بتاتے ہیں

☆

عذر اک ہاتھ لگا ہے اُنہیں، یہاں آنے مین
کیوں کہا میں نے کہ ''چلیے! مرے غم خانے میں''
شیرِ وحشت کو جو اک خلق چلی آتی ہے
شہر آباد ہوا ہے مرے ویرانے میں
ہم بھی محروم سہی، غیر تو ہوں گے محروم
لطف آجائے کہیں یار کو شرمانے میں
یہ تو سچ ہے کہ کجا محتسب و بادہ کشی
پھر بہ ایں جوش یہ کیا آتے ہیں مَے خانے میں؟
لے لیا پنجہ گل گوں میں جو اپنے، تو نے
ہم نے جانا، ہیں جڑے لعل ترے شانے میں
سچ کہا! غیر کو گھر نیند نہ آئی ہو گی
فرش ہے مخملِ کاشاں ترے کاشانے میں
شیفتہ، سُن کے جو دیتے ہیں وہ لاکھوں دشنام
اثرِ بادہ ہے گویا مرے افسانے میں

☆

ہے ستم کے رشک کا، ان کے گماں میں امتحاں
غیر کا کرتے ہیں مریے امتحاں میں امتحاں

آرزوئے مرگ تھی روزِ جدائی، مر گئے
کر لیا تاب و اثر کا اک فغاں میں امتحاں

چھیڑ تو دیکھو! کہ بعد از قتل مجھ سے یہ کہا:
''آپ کا ہرگز نہ تھا اپنے گماں میں امتحاں''

دیکھ کر آئینہ، دیکھیں، ہم ہنسیں گے یا نہیں! ,
اپنے غم کا، لیں گے سیرِ زعفراں میں امتحاں

ان کے کوچے میں تمہیں لے جاؤں کیوں کر شیفتہ؟
کر چکا ہوں تم کو سیرِ گلستاں میں امتحاں

☆

تنگ تھی جا خاطرِ فاشاد مین
آپ کو بھولے ہم ان کی یاد میں

کیوں کر اُٹھتا ہے خدا! رنجِ قفس؟
مر گئے ہم تو کفِ صیاد میں

وہ، جو ہیں تاریخ سے واقف، بتائیں!
فرق بادِ آہ و بادِ عاد میں

یاں امیدِ قتل ہی نے خوں کیا
رہ گئی حسرت دلِ جلاد میں☆

☆نسخہ مخطوطہ

بے تعلق پن بھی آخر قید ہے

قید پائی خاطرِ آزاد میں
غمزہ شیریں ہی کی دولت سے تھا
جو اثر تھا تیشہ فرہاد میں
کیوں خبر پوچھی ترا بیمار، ہائے!
مر گیا شورِ مبارک باد میں
بے تکلف جی میں جو آئے، کرو!
کیا دھرا ہے نالہ و فریاد میں؟
دھیان تجھ کو ہو نہ ہو، پر شیفتہ
رات دن رہتا ہے تیری یاد میں

☆

ہے امتزاجِ مشک، مئے لعل فام میں
آتی ہے بوئے غیر ہمارے مشام میں
پہنچے کہاں تصرفِ ساقی سے اہلِ بزم؟
تا فرق آئے بات میں، فرمائشیں وہ کیں
تعجیل جن کے ہو نہ سکے انصرام میں
اب کچھ ہمیں غناء سے تعلق نہیں رہا
جوش و تپش کو بار نہیں اس مقام میں
اس لطف سے کہاں ہے نسیمِ چمن میں بو؟
جو لطف بھر رہا ہے تمہارے پیام میں
ہے شرطِ عشق یہ کہ نہ غفلت ہو ایک دم
کیسا ہی دل پھنس اہو امورِ عظام میں
آئی جو اج کام میں صہبائے تند و تلخ

ساقی نے خوب راز کہے بارِ عام میں
آھو کے بخت! آئے جو تیری کمند میں
بلبل کی قسمت! آئے اگر تیرے دام میں
تم کو نہیں جو عُجب، تعجب ہے! شیفتہ
ہے فی زماننا یہ سرشتِ کرام میں

اثرِ آہ دلِ زار کی افواہیں ہیں
یعنی، مجھپر کرمِ یار کی افواہیں ہیں
شرم، اے نالہ دل! خانہ اغیار میں بھی
جوشِ افغانِ عزا بار کی افواہیں ہیں
کب کیا دل میں میرے، پندو نصیحت نے اثر؟
ناصحِ بیہدہ گفتار کی افواہیں ہیں
جنسِ دل کے وہ خریدار ہوئے تھے کس دن؟
یہ یونہی کوچہ و بازار کی افواہیں ہیں
قیس و فرہاد کا منہ؟ مجھ سے مقابل ہوں گے؟
مردمِ وادی و کہسار کی افواہیں ہیں
یہ بھی کچھ بات ہے! میں اور کروں غیر سے بات؟
تم نہ مانو کہ یہ اغیار کی افواہیں ہیں
کس توقع پہ جئیں شیفتہ، مایوسِ کرم؟
غیر پر بھی ستمِ یار کی افواہیں ہیں

خوش رو، بد خوہیں، کیا میں چاہوں؟
بیگانوں سے کیوں کر آشنا ہوں؟
مت چھیڑ! کہ یار سے جدا ہوں
اے مرگ! میں ااپ مر رہا ہوں
ممکن نہیں! بن ملے نباہوں
بیگانہ آشنا نما ہوں
لیلیٰ کہے سے بگڑ گئے تھے
دیوانہ میں جان کر بنا ہوں
کہتا ہوں جو ’’غیر سے نہ ملیے!‘‘
کہتا ہے کہ ’’کیا میں بے وفا ہوں؟‘‘
روشن ہے، مری سیاہ بختی
منت کشِ سایہ ہما ہوں
بیگانہ وشی ستم ہے ان کی
غیروں کو بھی یار جانتا ہوں
اُس غیرتِ گل سے ربط، معلوم!
ہر چند میں ہم دم صبا ہوں
ہم دم! نہ سہی محبت اس کو
اس بات پہ کیا اُسے نہ چاہوں؟
دی غیر کو اس نے کب عرق چیں؟
میں شرم سے آب کیوں ہوا ہوں؟
دیکھ انہیں مجھ کو، سنتے ہیں وہ

کیا پائے رقیب کی صدا ہوں؟
مکشوف ہوا فروغِ مَے سے
ذرہ میں کس آفتاب کا ہوں
میں شیفتہ، ہوں عزیزِ دل ہا
شیریں گفتار، خوش نوا ہوں

عہدِ ثباتِ عہد پہ ہے متصل ''نہیں!''
اے شیفتہ، نوید! وہ پیماں گُسل نہیں
الفت چھپاکے، اور بھی شرمندہ میں ہوا
اظہارِ عشقِ غیر سے وہ منفعل نہیں
مت چھیڑ، اے رقیب! کہ مانند زلفِ یار
سر تا بہ پا شکستہ ہوں، پر مضمحل نہیں
دل سختیاں سہے، یہ کہاں ناز کی تن؟
دلی کے سنگ دل تو بتانِ چگل نہیں
کیا روئیے؟ کہ تذکرہ سوزِ اشک سے
وہ گل عرق عرق تو ہے، لیکن خجل نہیں
پتھر وہ اور ہے، جسے مشکل ہے ٹالنا
فرہاد! بے ستون تو سینے کی سل نہیں
جو حال پوچھنا ہو، تم اس سے ہی پوچھ لو
مجھ کو دماغِ قصہ غم ہائے دل نہیں
بہلائیکوئی جا کے کہاں جی کو؟ ہائے ہائے!
صحرائے قیس گھر کے مرے متصل نہیں

لگ جاؤ اب تو ا کے گلے! سب چلے گئے
اک شیفتہ رہا ہے، سو وہ کچھ مخل نہیں

کن حسرتوں سے مرتے ہیں ہم، تم کو غم نہیں
اپنی بھی مرگ، مرگِ تمنا سیکم نہیں
قاصد کے ساتھ بے ادبی ہو گی، اور کلام
جُو شکوہ اور کچھ مرے خط میں رقم نہیں
ہر شغل میں اہم ہے نگہبانی نفس
اس سے سوا، جہان میں، شغلِ اہم نہیں
ہرگز نہ چہچہائے چمن زارِ عشق میں
جو مرغ، آتشیں نفس و شعلہ دم نہیں
سو بار امتحانِ وفا کر چکے، پر آہ!
اب تک بھی دوستی تمہیں دشمن سے کم نہیں
حیرت فروغِ آئینہ دل ہے اصل میں
بے وجہ ہے عتاب کہ آنکھوں میں غم نہیں
افسونِ پیرِ دیر کی تاثیر، ہائے ہائے
وہم و خیال میں بھی شراب و صنم نہیں
آنکھوں کو نے ہوس کہ رخِ سادہ دیکھیے
سر میں ہوائے طرہ پُر پیچ و خم نہیں
دشمن کہیں گیا ہو نہ آنکھوں سے، شیفتہ!
اس کی گلی میں آج نشانِ قدم نہیں

☆

مجھے عاشق جو دیکھے اپیرِ کنعاں نے وانی میں

کہا ’’کچھ تو بسر کو ہوتی تم نے شادمانی میں‘‘

جلے کیا کیا نہ عرضِ سوشِ داغِ نہانی میں؟

عجب آرام تھا اے شمع! ہم کو بے زبانی میں

عدو سے بات کی، جب حرف بے دھانی میں

غرورِ حسن کم ہوتا ہے الطافِ زبانی میں

یہ احسانِ اجل ہے، شمع و گل جو گور پر لائی

یہ اس کا کام ہے جو داغ رکھے زندگانی میں

کرم ہے مصلحت، ظالم! کہ شادی مرگ میں ہو جاؤں

ستم سے فائدہ؟ جب کام نکلے مہربانی سے

قلق سے نالہ موزوں نکل آئے، تو کہتے ہیں:

’’تمھیں کیا غم! گزرتی ہے تمھاری شعر خوانی میں‘‘

عدو بھی شاملِ لذت ہیں، اس کے کاش! سم ہوتی

مزا آتا نہیں مجھ کو، تری شیریں زبانی میں

عدو سے کیوں اشارے اور ہم سے کیوں تغافل ہے؟

سزا ہے یہ، ہمیں دعویٰ بہت تھا رمز دانی میں

سبک ہوتے ہو بس اے شیفتہ! ایسی ہی باتوں سے

کہ تم سر پاؤں پر رکھتے ہو، وہ ہے سرگرانی میں

☆

کب تکلّم اس کی، عشوہ بار نہیں؟

کب نگاہیں کرشمہ زار نہیں؟

غیر پر رحم یہ کسے آیا؟
تم تو مانا! ستم شعار نہیں

یاں، فغاں سے لہو ٹپکتا ہے
میں نوا سنجِ شاخ سار نہیں

کلفتِ دل سے ہے جو آلودہ
گو ہرِ اشک، آب دار نہیں

ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش
محفلِ پادشا سے عار نہیں

نہ جلا خانہ عدو، تو نہ ہنس!
شعلہ آہ ہے، شرار نہیں

باغ، بے صرفہ، چل کے، کیا کیجیے
جن سے تھی باغ کی بہار، نہیں

بادہ بے ہودہ پی کے، کیا کیجیے؟
اب وہ ساقی نہیں، وہ یار نہیں

ق

اے منجم! عبث یہ نادانی
تیغ کچھ اندازہ دانِ کار نہیں

تو روشن یابِ مہر و ماہ، غلط!
تو ادا سنجِ روزگار، نہیں

واقف اسرارِ آسمانی سے
جُز حریفانِ بادہ خوار نہیں

چڑھ گئے ہیں کسی کی پھر دم پر

شیفتہ آج بے قرار نہیں!

کون سے دن تری یاد، اے بہت ساف نہیں؟
کون سی شب ہے کہ خنجر سے جگر چاک نہیں؟
لطفِ قاتل میں تامل نہیں، پر کیا کیجیے؟
سرِ شوریدہ مرا، قابلِ فتراک نہیں
مجھ پر، اے دل برِ عالم! جو ہر ایک مرتا ہے
اس لیے مرنے سے میرے، کوئی غم ناک نہیں
دل ہوا پاک، تو پھر کون نظر کرتا ہے؟
اور دل پاک نہیں ہے تو نظر پاک نہیں
علم اور جہل میں کچھ فرق نہ ہو، کیا معنی؟
ہم بھی بے باک ہیں، پر غیر سے بے باک نہیں
قیس کو فضلِ تقدم ہے، وگرنہ یاں کیا
شرِ شوریدہ نہیں یا جگرِ چاک نہیں؟
ما سوی اللہ نہ رہے شیفتہ ہر گز دل میں
خسروی کاخ، سرائے خس و خاشاک نہیں

کون ہے شہر میں کو کامِ ہوس یاب نہیں؟
کس جگہ زلف کی بو، رخ کی ترے تاب نہیں؟ ☆
مجھ پر اس جلوے سے جو کچھ کہ گزرتی ہے، نہ پوچھ!
اس قدر شعلہ کبھی آفتِ سیماب نہیں
برق و باراں کے تلاطم کا کہاں تک مذکور؟

رخِ پُر نور نہیں، دیدہ پُر آب نہیں
وضع کا حفظ ہے تو عشرتِ صحبت معلوم!
بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں
اہلِ تحقیق کے نزدیک، رخِ زیبا کو
پردۂ شرم سے بہتر کوئی جلباب نہیں
سید مہتاب کا واں عزم ہوا کیا موقوف
شبِ مہتاب میں لطفِ شبِ مہتاب نہیں
فیضِ حق عام ہے، افسردہ، دلِ زار! نہ ہو
دشت کیا جلوہ گہ لالہ شاداب نہیں؟
خواب میں بھی وہ نظر ائے ہمیں غیر کے ساتھ
تلخ عیشوں کو مقرر کہ شکر خواب نہیں

☆مخطوطہ نسخے کے بعد کی غزل ہے اور اس کے حاشیے پر درج ہے۔

کیا وہ صحرا کہ جہاں شور نہ ہو رہ زن کا؟
کیا وہ دریا کیا جہاں پیچِ گرداب نہیں؟
پارسا کیا ہوئے تم، شیفتہ! سادے بھی ہوئے
باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

ناز و تمکیں ہے وہاں، صبر کی یاں تاب نہیں
یہی صورت ہے، تو کچھ بجھنے کے اسباب نہیں☆
طرفہ نیرنگ، محبت میں، نظر اتے ہیں
برق آنکھوں سے، ٹپکتی ہے، یہ خوناب نہیں
ہائے! وہ شوقِ ملاقاتِ عدو میں جاگے

جس کی آنکھوں کے تصور میں مجھے خواب نہیں
منع کیوں عشقِ مجازی سے ہمیں کرتےہو؟
زاہدو! دھر مگر عالمِ اسباب نہیں؟
جان کی شکل دکھائی ہے، بنا کر تجھ کو
دل کی تصویر بنائی ہے، یہ سیماب نہیں
بحر و بر میں کہیں آرام نہیں خاطر خواہ
بحر میں میں خار نہیں، دشت میں گرداب نہیں
کہیے! اعداء کی بھی کچھ دل شکنی ہے منظور؟
یہ تو مانا کہ تمہیں خاطرِ احباب نہیں

☆مخطوطہ نسخے کے بعد کی غزل ہے اور اس کے حاشیے پر درج کی گئی ہے۔

کلفت آلودہ نظر پڑتی ہے مشتاقوں پر
خسروی بزم میں بھی صرف مئے ناب نہیں
کل یوم ہُوَ فِی شان کی ہے جلوہ گری
اور وجہِ شبِ تار و شبِ مہتاب نہیں
شکوہ، آئینِ محبت میں ہے ایجادِ لطیف
نسخہ اسل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں
غمزہ نادر طلب اور عشوہ ہے نایاب پسند
جنس یاں دل ہے، سو نادر نہیں، نایاب نہیں
شیفتہ! عشق کی یہ دھوم اور اب تک حضرت!
دلِ بے تاب نہیں، دردہ بے خواب نہیں

☆

جی جائے، پر جفا میں ہمارا زیاں نہیں
قدرِ وفا نہیں ہے، اگر امتحان نہیں☆
ہم بھی دکھاتے، غیر سے اخلاص کا مزا
آفت تو یہ پڑی ہے کہ تم بدگماں نہیں!
جو دیکھنا ہو، دیکھ لیں اخترؔ شناس، جلد
نالے اگر یہی ہیں، تو پھر آسماں نہیں

☆نیرنگ حسن کے ترے جلوے کہاں نہیں؟
آئینہ اشک بار ہے، دریا رواں نہیں
(دوغزلہ مخطوطہ نسخے کے حاشیے پر)

اسرارِ عشق بھی جو حریفوں نے کہہ دیے
پھر اب کوئی جہان میں رازِ نہاں نہیں
ہم آئے ہیں جہاں سے، وہیں کا خیال ہے
جز شاخِ سدرہ ہم کو سرِ آشیاں نہیں
واں شوقِ داستاں ہے یہاں داستانِ شوق
پر کیا کروں کہ دوست کوئی قصہ خواں نہیں
حرفِ درشتِ غیر، سبک وضع بھی سہی
میں وہ ہوں جس پہ بارِ امانت گراں نہیں
رنگیں ہے بے گناہوں کے خوں سے سوادِ شہر
حال آں کہ واں ہنوز سرِ امتحاں نہیں
حکمت ہی ہو گی، برق جودی ہم کو جائے دل

بے مصلحت صلاح و فسادِ جہاں نہیں
کیوں عار بزم شاہ سے کرتے ہیں اہلِ فقر
کچھ فرشِ بوریا سے تو کم پرنیاں نہیں
چلیئے چمن کو، نجمِ سحر جلوہ گر ہوا
پرویں نہیں، بنات نہیں، کہکشاں نہیں
کیوں کر سنیں وہ؟ شہرت اگر کو بہ کو نہ ہو
افسوس! کم شکیب مرا رازداں نہیں
آئینہ گلو گاہِ پری ہے، نہ دیکھنا!
نظارہ پری کی بشر کو تواں نہیں
ہم نے بھی ہزل و بذلہ گوارا کیا کہ واں
فخر فضیلت و شرفِ دود ماں نہیں
مشہودِ روزگار ہے، محسودِ روزگار
بے التفاتیوں سے ہمارا زیاں نہیں
گر ہے فریب غمزہ جادو اثر مجھے
دل داری ایک شہر کی مشکل وہاں نہیں
کچھ ہم پر آپ پر نہیں موقوف شیفتہ
کس کس کے دل پذیر وہ رعنا جواں نہیں

دل کا گلہ، فلک کی شکایت، یہاں نہیں
وہ مہرباں نہیں، تو کوئی مہرباں نہیں
ہم آج تک چھپاتے ہیں یاروں سے رازِ عشق
حال آں کہ دشمنوں سے یہ قصہ نہاں نہیں

زیبا نہیں ہے دوست سے کرنا معاملہ
کچھ ورنہ ناز، جان کے بدلے گراں نہیں

ہم، زمرہ رقیب میں مل کر، وہاں گئے
جب شوق رہ نما ہو، کوئی پاسباں نہیں

آشفتہ مثلِ باد ہوں، بے تاب مثلِ برق
کیوں کر معینِ چرخ تری شوخیاں نہیں؟

ہم آپ پر نثار کریں کائنات کو
پر کیا کریں؟ بساط میں جز نیم جان نہیں

سامانِ وجد فتنہ محشر کو دے دیا
وہ خاک پر ہماری جو دامن کشاں نہیں

کیوں ہیں ندیمِ دوست سفارش میں غیر کی
کیا ہم کو ان سے رسم وراہِ ارمغاں نہیں؟

اک حالِ خوش میں بھول گئے کائنات کو
اب ہم وہاں ہیں، مطرب و ساقی جہاں نہیں

کس کس پہ رشک کیجیے، کس کس کو روئیے
کس دن وہ جوہ، آفتِ صد خانماں نہیں؟

کیوں یہ ہجومِ شور و شغف ہے نشور میں
ایسا تو شیفتہ ہمیں خوابِ گراں نہیں

☆

آرام سے کون جہانِ خراب میں
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

سب اس میں محو، اور وہ سب سے علیحدہ

آئینے میں ہے آب، نہ آئینہ آب میں
معنی کی فکر چاہیے، صورت سے کیا حصولہ

کیا فائدہ ہے، موج اگر ہے سراب میں؟
نَے بادِ نو بہار ہے اب، نے شمیمِ گل

ہم کو بہت ثبات رہا اضطراب میں
حیرت ہے کیا؟ نقاب ہیں گر رنگ رنگ کے؟

نیرنگِ جولہ سے ہے تنوع نقاب میں
فرصت کہاں کہ اور بھی کچھ کام کیجیے؟

بازی میں جمعہ صرف ہے، شنبہ شراب میں
ذات و صفات میں بھی یہی ربط سمجھیے

جو آفتاب و روشنی آفتاب میں
قطعِ نظر جو نقش و نگار جہاں سے ہو

دیکھو وہ آنکھ سے، جو نہ دیکھ اہو خواب میں
طوبیٰ لھم! جو کشتہ عشقِ عفیف ہیں

کیا شبہ اس گروہ کے حسنِ مآب میں؟
مرنے کے بھی کہیں شاید پتا لگے

کھویا ہے ہم نے آپ کو عہدِ شباب میں
پھر ہے ہوائے مطرب و نے ہم کو شیفتہ

مدت گزر گئی ورع و اجتناب میں

شوخی نے تیری، لطف نہ رکھا حجاب میں
جلوے نے تیرے، آگ لگائی نقاب میں

آ، نغمہ گر ہو، چرخ میں لا اصمان کو
آ، رقص کر، زمین کو ڈال اضطراب میں

سو مہر کا فروغ ہے واں جلوہ گاہ میں
سو باغ کی شمیم ہے واں رختِ خواب میں

وہ قطرہ ہوں کہ موجہ دریا میں گم ہوا
وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں

سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نقش بھی
رہ زن کو یہ خیال کہ رہ رو ہو خواب میں

اس صوتِ جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کای ڈھونڈتے ہو بربط و عود ورباب میں

اے وائے! روزِ حشر اگر ہم سے ہو سوال
جو کچھ کیا ہے ہم نے شبِ ماہ تاب میں

آتا ہے کون کون؟ کہ آتے ہیں اب نظر
دربان انفعال میں، حاجب حجاب میں

شرمِ گنہ، نہ بیمِ عقوبت، یہ رنج ہے
ہے ہے! اٹھائی اس نے اذیت عتاب میں

پوچھی تھی ہم نے وجہِ ملاقات مدعی
اک عمر ہو گئی انہیں فکرِ جواب میں

لڑتی نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہ
ہم کو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں

ناچار میں خموش، وہ ناحق عتاب میں
طاقت تھی جتنی، صرف ہوئی اضطراب میں
بوسے کئے قبول، تو گنتی بھی چھوڑ دو
ایسا نہ ہو! کہیں پڑے جھگڑا حساب میں
بے باک کس قدر ہے کہ ڈوبا ہوا سب
دامن لہو میں اور گریباں شراب میں
شاید کہ پڑ گئی ہے کسی شیخ کی نظر
ہم بے دھڑک جو کرتے ہیں تو بہ شباب میں
آخر، جہان میں شبِ تاریک بھی تو ہے
اچھا! نہ آئیں آپ شبِ ماہ تاب میں
اے آفتِ زمانہ! ترے دور میں، شکیب
بلبل کو باغ میں ہے، نہ ماہی کو آب میں
ہوتا ہے ازدحامِ تمنا اُسی قدر
ہوتی ہے جتنی دیر کشادِ نقاب میں
جور وستم عیاں ہے، وفا وکرم نہاں
لڑتے ہیں جاگتے میں، مناتے ہیں خواب میں
بے باک شیوہ، شوخ طبعیت، زباں دارزز
ملزم ہوا ہے، پر نہیں عاجز جواب میں

اس نے دمِ وداع کیے عہد التفات
افسوس! میں نے کچھ نہ سنا اضطراب میں
تکلیف، شیفتہ، ہوئی تم کو، مگر حضور!
اس وقت، اتفاق سے، وہ ہیں عتاب میں

گر کچھ خلل نہ آئے تمہارے فراغ میں
حسرت کا ہے ہجوم دلِ داغ داغ میں
مشاطہ، باغباں کی طرح، بے قرار ہے
میں ان کے پاس کیا ہوں کہ گل چیں ہے باغ میں
پہلے نہ تھا جہاں میں دلِ داغ دار کیا؟
مشہور اس قدر جو ہوا لالہ، داغ میں
جورِ ادیب و شوقِ حبیب و غمِ نشور
اپنا کوئی زمانہ نہ گزرا فراغ میں
صہبائے لالہ فام کہاں، اور ہم کہاں؟
خونابہ جگر ہے ہمارے ایاغ میں
معلوم ہے کہ ایلچیوں کو زیاں نہیں
قاصد! نہ ہچکچائیو ہرگز بلاغ میں
فانوسِ شیشہ و لگنِ زر سے کیا حصول
وہ ہے وہاں، جہاں نہیں روغن چراغ میں
نے طاقتِ شکیب، نہ اندازہ شیز
بے جا ہے اہتمام تلاشِ سراغ میں

اس نو بہارِ حسن کو بدنام مت کرو
تھی شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

پائی ہے بوئے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پر ہوئی ہے تجلی چراغ میں
اس کا پتا ملے، تو ہمارا پتا ملے
کھویا ہے کہ ہم نے آپ کو جس کے سراغ میں
مشکوئے شہ ہوا کرے، پر عیش واں کہاں
عشرت فقط نصیب ہے کنجِ فراغ میں
عارف نہیں وہ، حفظ، مراتب جسے نہ ہو
جو جلوہ باغ میں ہے، کہاں ہے وہ راغ میں؟
ہر چند ایک نور سے روشن ہے بزمِ دھر
جو نور مہر میں ہے، کہاں وہ چراغ میں؟
اک قطرہ جس کا، مست کرے کائنات کو
اے بے خبر! وہ مَے ہے ہمارے ایاغ میں
بلبل نے گل کبی نہیں دیکھا، جو دیکھ لے
زنہار، پھر نہ فرق کرے دشت و باغ میں
سو بار" ان یکاد" پڑھو حسن دوست پر
سامانِ صد بہار ہے ایک ایک داغ میں
پیری میں سیرِ باغ کی تقریب، شیفتہ!
معشوقہ ساتھ ہے، نہ خلل ہے دماغ میں

☆

عید ہے اور ہم کو عید نہیں
اگر آ جائیے، بعید نہیں

لاش تیری، رسید تھی خط کی
خط کی یہ، نامہ بر! رسید نہیں

قیس کو جو کہے خفیف العقل
رائے اس شخص کی سدید نہیں

گر یہی ہے ہجومِ ابرِ سیاہ
گر کوئی مَے پیے بعید نہیں

ہم اگرچہ ہیں ان دنوں مقبول
لیکن اغیار بھی طرید نہیں

آج بھی منعِ بادہ، اے زاہد!
تیرے نزدیک عید، عید نہیں؟

ذکر میرا سنو! نہ مجنوں کا
لطف، بے قصہ جدید نہیں

دور میں اس کی چشم و مژگاں کے
کس جگہ تربتِ شہید نہیں؟

نیند آئی، رقیب آتا ہے؟
رخصت! اتنے تو ہم بلید نہیں

شیفتہ! اور بھی ہیں نغمہ سرا
پر یہ آہنگ، یہ نشید نہیں

☆

ہے گُو نہ گُو نہ شک ابھی عفوِ گناہ میں
جو ہے زبان پر، وہ نہیں ہے نگاہ میں

تمکینِ اضطراب ہے، بے دادِ التفات
کیا شوخی اثر ہے سراسیمہ آہ میں؟

ہر خار و خس ہے وجد میں، ہر سنگ و خشت مست
کیا مے کشوں نے آکے کہا خانقاہ میں؟

دشمن سے بھی زیادہ ہے، گو دوست کیوں نہ ہو
مل جائے جو کوئی ترے کوچے کی راہ میں

سرگشتہ دن کے پھرنے سے اربابِ درد ہیں
کیا فرق چرخِ اخضر و چشمِ سیاہ میں

صیاد دل فریب کا اللہ رہ! لطفِ عام
بے زخم ایک صید نہیں صید گاہ میں

ہے مجھ میں اور غیر میں نسبت وہی جو ہے
اندیشہ درست و خیالِ تباہ میں

دن رات جلوے دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے
یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی، نہ ماہ میں

یاں، بے زوال نعمتِ کم یاب عشق ہے
دعویٰ ہے بوالہوس کو اگر مال و جاہ میں

ہے جلوہ گر کرشمہ کہ انصاف پیشگی
ہلدی لگی ہوئی ہے سرِ داد خواہ میں

تجھ کو نظر نہ آئے، تو اپنا علاج کر

ہے مرغ زار جلوہ نما، برگِ کاہ میں
ہر شیوہ اُس کا اپنی جگہ میں تمام ہے
اعجاز بات میں ہے تو جادو نگاہ میں
افسردہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہے نہ لذت گناہ میں

☆

ہم سے جو ہو غبار، تو دشمن سے صاف ہو☆
تقصیر ہو کسی سے، کسی کی معاف ہو
ہرگز ترے لبوں سے نہ چھوڑیں گے کامِ دل
سو بار اس میں غیر سے گو لام کاف ہو
دل دیں گے، مال دیں گے، مگر جان، سو بخیر
بیہودہ ہے وہ شخص، جو سرگرمِ لاف ہو
کافی ہے خوش گزرنے کو دنیا میں اس قدر
معشوق خوش مزاج ہو، وجہِ کفاف ہو
موصوف ہو ضرور جفا و عتاب کا
حسن و جمال میں جو کوئی یاں مضاف ہو
رہے رشکِ بارِ عام غضب، کیا عجب؟ اگر
کنجِ خمول میں ہوسِ اعکاف ہو
گر عفو ہو قصور! تو اک عرض ہے ہمیں
یہ عرض ہے: قصور ہمارا معاف ہو!
غالب ہے، کچھ تو فرق پڑے واں کی سیر سے
وحشت میں گر گزار مرا سوئے قاف ہو

☆مخطوطہ نسخے کے بعد کی غزل ہے اور اس کے حاشیے پر ہے

رفتارِ چرخ سے اسے شیوہ، یہ دور کیا
گر آپ کی روش بھی ہمارے خلاف ہو

ہاں؟ تو شگافِ در سے لڑا آنکھ غیر سے
تیری بلا سے! دل میں کسی کے شگاف ہو

جو قیس کی روش تھی، وہی اپنی راہ ہے
دونوں سلیم فکر ہیں، کویں اختلاف ہو

وہ طرزِ فکر ہم کو خوش آتی ہے شیفتہ
معنی شگفتہ، لفظ خوش، انداز صاف ہو

☆

فروغِ مہر نہ ہو، رخ پہ گر نقاب نہ ہو
نقاب اٹھا! کہ یہ لمعانِ آفتاب نہ ہو

بھرے ہیں رنگِ تکلف سے اہلِ مے خانہ
شراب بس ہے! نہیں ہے اگر کباب، نہ ہو

کہیں نہ جائے بتِ مہروش، یہ ممکن ہے؟
خلل پڑے، متحرک جو آفتاب نہ ہو

ہے دل کو شکرِ وفائے عدو سے بے تابی
گروں میں کچھ گلہ لطف، گر عتاب نہ ہو

حجابِ منظرِ مقصود ہے طلسمِ خودی
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے، تو فتحِ باب نہ ہو

عزیز ہے بتِ مے کش کو چشمِ تر، یعنی
نہ ہو سحاب، تو کیفیتِ شراب نہ ہو

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں مے کدے میں رند
مجھے یہ ڈر ہے: کہیں مدرسہ خراب نہ ہو
وہ ماہتابی پہ بیٹھے ہیں اور ہے شب ماہ
خلافِ شان ہے رخ پر اگر نقاب نہ ہو
غضب ہے، قہر ہے، دیکھے وہ چشم یہ جلوہ
جسے کہ مہر کے بھی دیکھنے کی تاب نہ ہو
وہ روئے، نالہ موزونِ شیفتہ سن کر
یہ وہ غزل ہے کہ جس کا کبھی جواب نہ ہو

☆

غیر سے حرفِ تمنائے جفا کہتے ہو!
کس سے کہتے ہو، تمہیں خبر ہے، کیا کہتے ہو؟
زندگی خاک ہو؟ جب فہم میں اتنا ہو خلاف
ہم اجل کہتے ہیں، تم جس کو حیا کہتے ہو
کہتے ہیں: ''لاف وفا موت سے پہلے کیسی؟''
ہم نہیں جانتے، تم کس کو وفا کہتے ہو؟
گلہ جور پہ کہتے ہیں: ''زے نافہمی''
ناز ہم کرتے ہیں، تم اس کو جفا کہتے ہو''
شیفتہ، شکوہ دشمن سے بس آگے نہ بڑھو
دیکھو وہ دوست ہے، تم کس کو برا کہتے ہو؟

☆

تو سن ناز اٹھاتے کیوں ہو؟
خاک میں شہر ملاتے کیوں ہو؟

ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں
عشق سے مجھ کو ڈراتے کیوں ہو؟

تاب نظارہ نہیں پہلے ہی یہاں
تم مجھے آنکھ دکھاتے کیوں ہو؟

میرے نزدیک ہو لیلیٰ، سے سوا
قصہ قیس سناتے کیوں ہو؟

حاصل اس سلسلہ جنبانی سے؟
پائے خوابیدہ جگاتے کیوں ہو؟

عرض غم، حوصلہ غیر کہاں؟
مجھ سے تم بات بناتے کیوں ہو؟

آتش عشق کہیں بجھتی ہے؟
شیفتہ اشک بہاتے کیوں ہو؟

ربط، واں، ہاتھ کو جب غیر کے داماں سے ہو
کیوں نہ یاں ہاتھ کو پھر ربط گریبان سے ہو

جلوہ دوست اگر دیکھے، تو میرا ذمہ!
پھر پری زاد کو وحشت اگر انسان سے ہو

جو خوشی خط سے تمہارے ہوئی، اس سر کی قسم
وہ شہ ہند وشہ روم کے فرماں سے ہو

حسن کیا رکن امارت ہے؟ کہ ممکن ہی نہیں
ربط ان سے نہ کرے کوئی جو ارکان سے ہو

میں نہیں جانتا! آپ آئیں وہ، یا خط بھیجیں

پر میرے دل کو تسلی کسی عنوان سے ہو
ہر ورق میں ہے عیاں جلوہ نیرنگ بہار
کیوں نہ دیوانو ں کو شورش میرے دیواں سے ہو
چھیڑ دیکھو! کہ کہا: دونوں کو ذلت ہو نصیب
پر تجھے غیر سے ہو،غیر کو دربان سے ہو،،
کس نے تاراج کیا ملک دل ودین؟ کہیئے
آج تم شیفتہ بے سرو ساماں سے ہو

اضطراب جرس ہے کیوں دل کو؟
کہیں جنبش ہوئی ہے محمل کو
بوسہ لب نہ مانگنا دشمن!
منہ لگاتا ہے کوئی سائل کو ؟
گل کو ہے اس کے کان سے تشبیہ
کیا سنے نالہ عنادل کو؟
غم زدہ تیری چشم کافر کا
سمجھے اعجاز، سحر بابل کو
تجھ سے اے رشک حور جودوں تشبیہ
نہ ہو نقصان ماہ کامل کو
اب وہ نوخط ہے ملتفت دیکھا!
نقش تسخیر خط باطل کو
ہائے وہ شیفتہ کی بے تابی
تھام لینا وہ تیرے محمل کو

اے فلک یوں کام یاب عیش کر پرویز کو
خواب شیریں بھی نہ ہو فرہاد شور انگیز کو

سعی وصف نازنین ہے فکر کے شب دیز کو
شوخیاں آبرو سے لینی چاہیئے ممیّز کو

دیکھ کر چشم غضب کو اس کی، میں نے رو دیا
چاہیئے پانی پلا لینا شراب تیز کو

سانپ کے سونگھے ہوئے سے بے خبر تر ہوں مجھے
سونگھ لینے دو ! شمیم زلف عنبر بیز کو

کب ہوئی گستاخیاں آداب دان عشق سے
دیجیئے تعزیر اپنی تمکین ہوس انگیز کو

نالہ موزوں کی بے پرواہ خرامی دیکھنا
کر دیا خلوت نشیں، غوغائے رستا خیز کو

کیوں نہ شادی مرگ ہو ناکام مجھ سا دیکھ کر؟
زخم کے منہ میں زبان خنجر خوں ریز کو

خط آزادی تھا، نامہ غیر کا، اے جوش رشک
پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسی دست آویز کو

اہل محفل کے پسند طبع یہ انداز ہے
شیفتہ ! کس کو سناتے شعر درد آمیز کو؟

کچھ تو شیریں کام کر، تلخی کش بے داد کو
دے کفن تو عشق شیریں بساف کا فرہاد کو

آہ وزاری نا رسا،شوق اسیری بے اثر
کون لائے آشیانے تک میرے صیاد کو؟
تلخ کام عشق،شیریں بھی ہوئی پایان کار
یہ نوید شور افزا،بھیجے فرہاد کو
کہتے ہیں زیر زمیں لیلیٰ ومجنوں مل گئے
ہم کو بھی لازم ہے جانا، واں مبارک باد کو
اک دم شمشیر سے آزار سب جاتے رہے
ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلاد کو

اے دل ! جو ہے سو ہونے دے، گرم فغاں نہ ہو
یہ جور یار ہے، ستم آسماں نہ ہو
دل بستگی جو ایسی ہے قاصد سے کیا عجب!
گر حلق زخم خوردہ سے بھی خوں رواں نہ ہو
مہر و وفا جو ماہ وشوں سے بعید ہو
راضی ہیں ہم اسی میں کہ نا مہرباں نہ ہو
کیا کیا بیان کرتے ہیں نادر نکات ہم
لیکن جب انجمن میں کوئی نکتہ داں نہ ہو
صدق و صفا مہر وفا واں نہ ڈھونڈنا
جس شہر ودیہہ میں ،کہ سرائے مغاں نہ ہو
آتی ہے فصل گل میں،چمن سے ہوائے گرم
صیاد نے جلایا کہیں آشیاں نہ ہو
کیا ہو دعائے مرگ میں اس شخص کو حجاب

جو نیم کشت خنجر درد نہاں نہ ہو
صوت حزیں سے کچھ ہو، نہ شکل جمیل سے
گر صاحب معاملہ آزردہ جاں نہ ہو
ایماء ہے سب کو چشم سخن گو سے شیفتہ
پھر میرے قتل پر کوئی کیا ہم زبان نہ ہو؟

☆

ہے بد بلا کسی کو غم جاوداں نہ ہو
یا ہم نہ ہوں جہاں میں! یا جہاں نہ ہو
آئین اہل عشق کہاں اور ہم کہاں؟
اے آہ شعلہ بار نہ ہو خوں فشاں نہ ہو
فعل حکیم عین صلاح و صواب ہے
ساقی اگر شراب نہ دے، سرگراں نہ ہو
تدبیر ترک دشمن جاں کی ہے رات دن
کس طرح پھ رمجھے گلہء دوستاں نہ ہو
کیا وہ متاع ،جس کی نہ ہو کوئی گھات میں؟
ڈرتا ہوں میں، جو دزد پس کارواں نہ ہو
جب تک فروغ مے سے نہ ہو سینہ نور زار
ہرگز، حریف مے کدہ اسرار داں نہ ہو
لازم ہے یار بھی توہو بے تاب ورنہ کیا
وہ عشق ہے کہ رنج یہاں ہو، وھاں نہ ہو
ناحق وہ جی جلاتے ہیں سودائے عشق پر
جن کو یہ سوچ ہے کہ کچھ اس میں زیاں نہ ہو

ہم بوئے دوست تجھ کو سنگھائیں گے شیفتہ
محو شمیم طرہ عنبر فشاں نہ ہو!

تہمت لگا کر ان کو، کوئی کیسا خجل نہ ہو
وسواس ہم کو جب ہو، جو آئینہ دل نہ ہو
تقوے میں ہم شریک ہیں رندی میں ہم شریک
صحبت سے اپنی کوئی ملول وخجل نہ ہو
زنجیر آدھی رات کو کھٹکائے اور کون؟
اے جذب اشیاق وہ پیاں گسل نہ ہو
تنہا ملا ہے یار، زمان دراز میں
اے فرط جوش وشوق! بس اب تو مخل نہ ہو
افسردگی کے اپنی جو گرم بیاں ہوں ہم
آتش کبھی جہاں میں پھر مشتعل نہ ہو
دشمن کے افترا سے رہائی محال ہے
گھر یار کا جو گھر سے میرے متصل نہ ہو
پھر دل دہی میں گرم ہے دل دار شیفتہ
ڈرتا ہوں میں کہ پھر کہیں خواہان دل نہ ہو

اتنے جمیل سے تو کبھی انس و خو نہ ہو
ڈرتا ہوں آفتاب سے اب میں کہ تو نہ ہو
ہے گل کا رنگ تجھ سے مشابہ، نہ دیکھے
بچے صبا سے بھی کہ کہیں تیری بو نہ ہو

سب آرزوئیں تجھ سے فلک نے نکال دیں
یہ آرزو ہے اب کہ تیری آرزو نہ ہو
جانا کہیں ہو،جاتے تھے یا تیرے گھر کی راہ
یا اب یہ ڈر ہے راہ میں تو رو بہ رو نہ ہو
یا غیر سے بھی خوش تھے،کہ تیرا تو دوست ہے
یا اب خفا ہیں اس سے،جو تیر اعدو نہ ہو
جب تک کہ تم رقیب سے ملن نہ چھوڑ دو
مل جائے تم سے شیفتہ، ایسا کبھو نہ ہو
کچھ پیچ وتاب دل کا جبیں پر اثر نہ ہو
اتنا تو حوصلہ ہو اگر بیش تر نہ ہو
سامان عیش جمع، مگر ہم کواجتناب
کیا کیجئے ،جو حکم قضا و قدر نہ ہو
ان کو وہ لاف مہر و وفا ہو کہ کیا کہوں
ھم کو گر اہتمام تلاش خبر نہ ہو
ناصح جو کام ترک وفا سے لیا تو کیا
جو بات عیب کی ہے وہ ہر گزہنر نہ ہو
ہم وہ نہیں کہ اس کوبھی رکھیں حساب میں
جس آہ کا کہ چرخ نہم تک گزر نہ ہو
کیا تاب ہے کہ تابن،مژگاں ہو جلوہ گر؟
جس قطرہ سرشک میں لخت جگر نہ ہو
امیدوار جلوہ معنی غلط نہیں
جو نکتہ فہم ہو نقوش وصور نہ ہو

ہر چند مجھ سے بے سبب آزردہ ہیں مگر
ڈرتا ہوں میں، منانے سے آزردہ تر نہ ہو

☆مخطوطہ نسخے کے بعد کی غزل ہے، اور اس کے حاشیے پر ہے۔

ہیں آنے والے، شیفتہ، کچھ دوست اور بھی
مطرب کو حکم ہو کہ ابھی نغمہ گر نہ ہو

☆

جب تک وہ مہر جلوہ، یہاں جلوہ گر نہ ہو
لاکھ آفتاب سے شب ہجراں سحر نہ ہو
کیا مانگتے ہوجاں؟ بہت لوگ دے چکے
وہ بات ہم سے کہیئے کہ حد بشر نہ ہو
کس کو کیا پسند، نہ کیوں کر کروں پسند؟
مجھ کو نظر نہ ہو جو غرور نظر نہ ہو
یہ شوق ہرزہ تاز بہت منفعل کرے
دربان دوست، دوست ہمارا اگر نہ ہو
مے خانے میں رہو کہ نہ دیکھو گے عمر بھر
وہ شام جس میں پر توفیض نظر نہ ہو
آئین ناز، کینہ و رسم ادا ستم
معشوقہ بے ہنر ہے جو بے داد گر نہ ہو
یاروں کو رنج ہو، یہ گوارا نہیں مجھے
ایسی جگہ مروں کہ کسی کو خبر نہ ہو
ان کا لگاؤ اور بھی کرتا ہے بے قرار

واں کچھ نہ ہو، تو جوش یہاں اس قدر نہ ہو
وہ نالہ چاہتے ہیں کہ برہم کرے جہاں
لیکن یہ شرط ہے کہ ہمیں کچھ اثر نہ ہو
اُڑتی سی شیفتہ کی خبر کچھ سنی ہے آج
لیکن خدا کرے، یہ خبر معتبر نہ ہو

نفس سرکش کی، کسی ڈھب سے رعونت کم ہو
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو
کیا عجب؟ دور ہو آتش سے حرارت لیکن
ہے عجب ان کے اگر دل سے شرارت کم ہو
منع کی حرص پر انسان ہو اے مجہول
ناصحو ! دوست اگر ہو، تو نصیحت کم ہو
جان پر مشغلہ فارغ ہو، جو تم کو دیکھے
دل بے وسوسہ کو تم سے فراغت کم ہو
شمع رویوں سے بڑھا ربط، بڑھی ظلمت دل
ورنہ جتنا کہ سوا نور ہو ظلمت کم ہو
اثر عشق کے افسانے جو سن رکھتے ہیں
حکم عشاق کو ہے، یہ کہ محبت کم ہو
ہم نے دیکھا ہے وہ صیقل کدہ اللہ اللہ
کہ جہاں آئینہ دل سے کدورت کم ہو
نغمہ پر درد ہے، شورش سے افاقت معلوم
بادہ پر زور ہے، کیا نشے کی شدت کم ہو

شیفتہ کیسے ہی معنی ہوں،مگر نا مقبول
اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

اٹھ صبح ہوئی، مرغ چمن نغمہ صحرا دیکھ!
نورسحر وحسن گل ولطف ہوا دیکھ!
دو چار فرشتوں پہ بلا آئے گی ناحق
اے غیرت ناہید ! نہ ہو نغمہ سرا، دیکھ!
منت سے مناتے ہیں مجھے، میں نہیں منتا
اوضاع ملک دیکھ اور اطوار گدا دیکھ
گر بوالہوسی یوں تجھے باور نہیں آتی
اک مرتبہ اغیار کے قابو میں تو آ دیکھ!
عاشق بھی سہی کوئی نہ فرہاد سا ہوگا
کاشانہء دشمن میں نہ ہو جلوہ نما دیکھ!
اتنی نہ بڑھا پاکیء داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ
اک دم کے نہ ملنے پہ نہیں ملتے ہیں مجھ سے
اے شیفتہ! مایوسی امید فزا دیکھ

کہوں میں کیا کہ کیا درد نہاں ہے؟
تمھارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے
شکایت کی بھی اب طاقت کہاں ہے؟
نگاہ حسرت، آہ ناتواں ہے

نشان پائے غیر اس آستاں پر
نہیں ہے میری مرقد کا نشاں ہے

اجل نے کی ہے کس دم مہربانی
کہ جب پہلو میں وہ نا مہرباں ہے

تجھے بھی مل گیا ہے کوئی تجھ سا
اب آئینے سے وہ صحبت کہاں ہے؟

یہ کس گل رو کا عالم یاد آیا ؟
دم سرد اک نسیم بوستاں ہے

ہوئی بے تابی بلبل مؤثر
کہ گھبرایا ہوا کچھ باغباں ہے

سحر ان کوارادہ ہے سفر کا
قیامت آنے میں شب د رمیاں ہے

کوئی یاں لاؤ اس عیسٰی نفس کو
کہ مرتا شیفتہ نام اک جواں ہے

یاد آئے گی جوعطر فشاں اس کی کو مجھے
لے جائے گی بہشت میں،گلشن کی بو مجھے

اے چرخ تیرے دور میں انصاف ہے یہی
وصل صنم عدو کو،ہو، رشک عدو مجھے

رحم! اے ہجوم شوق ! کہ سنبل سے باغ میں
یاد آئے گا وہ طرہ تابیدہ مو مجھے

دشمن کٹے جو شکر کے سجدے سے وقت قتل

شاید کہ آب تیغ سے ہو گا وضو مجھے
تا صبح حشر بخت میرے جاگتے رہیں
اک بار صبح آ کے جگائے جو تو مجھے
تشبیہ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے
سنبل، سے عطر فتنہ کی آتی ہے بو مجھے
تاب وصال اس سمن اندام کو کہاں
بس بس نہ چھیڑ، اے خلش آرزو مجھے
جاتا ہوں کوئے غیر میں صحرا کے بدلے میں
دیوانگی میں بھی ہے تیری جستجو مجھے
وہ مانع تپش ہے، تمھیں شوق اضطراب
بھاتی نہیں ہے شیفتہ ایسی بھی خو مجھے

اگلے رشک ان کو یاد آنے لگے
ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لگے
کچھ بناوٹ سے نہیں تو یہ غش
تم مجھے عطر کیوں سنگھانے لگے
میرے داغوں کا ذکر کرتے ہیں
بارے، غیروں کو بھی جلانے لگے
تلخ کامی کی گر کہیں لذت
چرخ غالب کہ زہر کھانے لگے
میرے رونے میں تو نہیں تاثیر
غیر پھر اشک کیوں بہانے لگے

غیر سے کب ہوا ہے ترک کلام
باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے

ق

ہم جو تحریک ناتوانی سے
قصہ ہائے ستم سنانے لگے
ہنس کے کہنے لگے کہ: ہاں سچ ہے
تم میرے ناز کیوں اٹھانے لگے ؟
وہ غزل ہم نے شیفتہ لکھی
جس کو زہرہ بھی سن کے گانے لگے

☆

اور الفت بڑھ گئی،اب اس ستم ایجاد سے
اک نئی لذت جو پائی دل نے،ہر بے داد سے
غیر کو اندوہ فرقت اب مبارک ہو! کہ یاں
دھیان جاتا ہی نہیں اس کا، دل ناشاد سے
عشق میں یہ مرحلہ بھی پیش آتا ہے ضرور
کس کو امید اثر ہے نالہ فریاد سے؟
مجھ سے کیا کیا شاد ہو گی روح قیس و کوہ کن
پھر نظر آتے ہیں کوہ دشت کچھ آباد سے
ہیں وہ قابو میں عدو کے بس یہی تدبیر ہے
جائیں اس کے پاس نالاں، یار کی بے داد کے
رشک آزادی پہ ہے ایسے اسیروں کی، مجھے
چھٹ گئے جو جان دے کر پنجہ صیاد سے

ڈوب مرنے کی جگہ ہے، غسلِ صحت ہجر میں
روئے دیتا ہوں احباء کی مبارک باد سے
وہ قتیلِ تیشہ ہے، میں کشتہ ،آبروئے یار
یار بے جا مجھ کو نسبت دیتے ہیں فرہاد سے
چھوڑتے ہو کیوں مجھے؟ جانے دو ان باتوں کو ،بس
تم بھلا جاتے رہو گے شیفتہ کی یاد سے؟

پھر محرک ستم شعاری ہے
پھر انھیں جستجو ہماری ہے
پھر وہی داغ و دل سے صحبت گرم
پھر وہی چشم و شعلہ باری ہے
پھر وہی جوشِ نالہ و فریاد
پھر وہی شورِ آہ و زاری ہے
پھر خیالِ نگاہِ کافر ہے
پھر تمنائے زخمِ کاری ہے
پھر وہاں طرزِ دل نوازی ہے
پھر یہاں رسمِ جاں نثاری ہے
پھر وہی بے قراری تسکیں
وہی تسکینِ بے قراری ہے
پھر جفا واں وفا ہوئی، پھر یاں
نا اُمیدی، اُمید واری ہے
جس کے جور و ستم بھی یاد نہ تھے

پھر ہمیں اس کی یاد گاری ہے
پھر ہمیں کام کچھ نہیں تم سے
پھر وہی وضع گر تمہاری ہے
شیفتہ پھر ہے ننگ عزت سے
پھر وہی ہم ہیں اور خواری ہے

وہاں پہنچنے کی منت دمِ صبا پر ہے
کہ شوق سے، مرے خط کے لیے ہوا پر ہے
عدو کو آگے مرے، مسکرا کے ذبح نہ کر!
کہ میری مرگ بھی موقوف اسی ادا پر ہے
مرض ہو جس کے سبب سے، غضب ہے وہ یہ کہے:
''جیسے جیسے نہ جیسے، زور کیا قضا پر ہو''
رقیب کہتے ہیں: '' اس جور پر نباہتے ہو''
قیامت آئی کہ تشنیع اب وفا پر ہے
خفا ہوئے ہیں عدو اپنی ہی بری خو سے
تجھے گمانِ بد، اے بد گماں! حیا پر ہے
خیال تھے اثرِ جذب دل سے کیا کیا آج
ہزار خونِ ہوس گردنِ حنا پر ہے
رقیب سے ہے جفائے حبیب کا شکوہ
تُو آپ شیفتہ، اے شیفتہ! جفا پر ہے

فصلِ گل، ہے مے کدے کا سازو ساماں چاہیے

توبہ ژولیدہ، زیبِ، طاقِ نسیاں چاہیے
محوِ لیلیٰ ہے یہ مجنوں، چارہ سازوں سے کہو:
''اس کے رہنے کے لیے یوسف کا زنداں چاہیے''
کش مکش اس جیب سے، دستِ جنوں، بے فائدہ
غیر کا، زور آزمائی کو، گریباں چاہیے
نرگستاں چاہیے، نے چاہیے سُنبل کدہ
چشمِ فتاں چاہیے، زلفِ پریشاں چاہیے
جائے سبزہ سبزہ خط، قدّ موزوں جائے سرو
یہ گلستان ہو، تو ہاں! سیرِ گلستاں چاہیے
شاھدان دل ربا اتنے نہیں دشوار جُو
صرف ان کو مال و جاں، ناموس و ایماں چاہیے
ہر غزل اپنی، بیاضِ چشمِ آہو پر لکھو
جیسے دیوانے ہیں ہم، ویسا ہی دیواں چاہیے
نغمہ ہائے گل فشاں کو سمجھیں کیا زاغ و زغن؟
داد دینے کو مری، مرغِ خوش الحاں چاہیے
گردِ کلفت، خاکِ صحرا، دشنۂ غم، نوکِ خار
تیرے وحشی کے لیے ایسا بیاباں چاہیے
جان دی ہے ہم نے دردِ ھجرِ گلرخسار میں
نعش کے ہمراہ، بلبل مرثیہ خواں چاہیے
اکثر ایسے وقت کم آتے ہیں اربابِ خلل
مے کشی کا شغل، وقتِ باد و باراں چاہیے
جس روش میں کی خرامش خواہ نیک و خواہ بد

اس میں جد و جہد تا سرحدِ امکاں چاہیے
گر سلوک راہِ حق پیشہ ہے، اے روحی فداک!
جذب بے اندازہ و سعیِ فراواں چاہیے
پایہ کم پر شریفوں سے قناعت، ننگ ہے
با یزیدی زہد ہو، شبلی کا عرفاں چاہیے
جسم سے ہو معنیِ روحِ مجرد آشکار
لفظ سے ہر صورت معنی نمایاں، چاہیے
نغمہ نَے کا گزر ہو پردہ گاہِ زہرہ تک
موجہ مے کا اثر تا بامِ کیواں چاہیے
آبرو رونے سے ہے، پر فخرِ یکتائی نہیں
شیفتہ! مژگانِ تر خُوں نابہ افشاں چاہیے

☆

کیوں کر مجھے خط رقم کریں گے؟
کیا غیر کا سر قلم کریں گے؟
ہم پیشہ سے اضطراب و شوخی
کس واسطے مجھ سے رم کریں گے؟
اتنی بھی بری ہے بے قراری
اب آپ سے اُنس کم کریں گے
جوشِ وحشت میں، اے پری رو!
بس تیرا ہی نام، دم کریں گے
نوبت ہے، تو سب امور میں ہو
اب غیر پہ وہ ستم کریں گے

مرنے کا مرے، نہ ذکر کرنا
قاصد! وہ بہت الم کریں گے
آرام کی فکر اب ہوئی ہے
تم سے نہ ہوا، وہ ہم کریں گے
دلی میں تو شیفتہ ہے استاد
ہم قصد سوئے عجم کریں گے

☆

دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے
کیا اثرِ نالہ شب گیر ہے؟
جو کہ ہوا محوِ تجلیِ ذات
خاکِ در اس شخص کی اکسیر ہے
وہا! ترا جلوہ حیرت ادا
آئینہ، عشاق کی تصویر ہے
مجھ توقف اجلِ جاں فزا
قتل میں اغیار کے تاخیر ہے
چھوڑ دے وہ، تو بھی میں کیوں کر چھٹوں؟
کش مکشِ زلفِ گرہ گیر ہے
کھیل ہے کچھ یہ کہ دکھا دوں تمہیں
فرض کیا! آہ میں تاثیر ہے
غیر پہ پڑتے ہیں خدنگِ نگاہ
سینے میں میرے خلشِ تیر ہے
خط کے نہ لکھنے کا، لکھوں کیا گلہ
خامہ! مدد کر، دمِ تحریر ہے
کیا کہوں احباب کی آہن دلی
پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے
غیر بھی کیوں تم سے نباہیں گے؟ گر
جرمِ وفا قابلِ تعزیر ہے
نغمہ سرا کون سا یاد آگیا؟

نالے میں آوازِ بم و زیر ہے
ہم سے وہ نا حق جو خفا ہو گئے
شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

کہا کہ: ''تنگ ہوں اتنی بھی بد گمانی سے''
کہا جو:'' ڈر ہے مجھے ایسی مہربانی سے''
یہی ہے شکر کہ دل کی نظر تو روشن ہے
نظر تو خیرہ ہوئی برقِ لن ترانی سے
ہزار باتیں بناؤ، ملے ہو غیر سے تم
نشان ہم کو ملا گم ہوئی نشانی سے
محبت اس خفگی سے عیاں ہے، اے گل رُو!
کہ رنگِ لطف ٹپکتا ہے بد گمانی سے
میں سادگی سے بیاں کر رہا ھوں، وصف دھن
وہ ھونٹ کاٹتے ھیں اپنی نکتہ دانی سے
سوائے پیرِ مغاں اور ظرف کس کا ہے؟
کے بہرہ ور ہو گدا جامِ دو ستگانی سے
ثنا طلب ہے عجب کا ری دل بے تا ب
کہ دل گرفتہ ہے دل دا ر، دل ستا نی سے
کسی کی نرگس سے گوں نے کھو دئے ہیں ہوش
یہ بے خودی نہیں صیھبائے ار غوا نی سے
بھڑک اٹھی نم شمنم سے اور آ تش گل
یہ کیسی آ گ ہے دونی ہو ئی جو پا نی سے؟

یہ ہے نصیحت پیرا ن کار آ فتا دہ
کہ بد بلا ہے جوا نی، ڈرو جوانی سے
وہاں تو، شیفتہ، مطلوب ہے خوش افغانی
نہ نکتہ دا نی سے کچھ ہو، نہ خوش بیا نی سے

شب، ھم نے لیے خواب میں زنجیر کے بو سے
دیں گے وہ مگر زلفِ گرہ گیر کے بو سے
اللہ رے! کافر کی نزاکت کہ آڑا رنگ
ہم نے جو لیے، را ت دہ، تصویر کے بو سے
اس جرم سے قاتل نے لہو اس کو چٹا یا
بسمل نے لیے تھے لبِ شمشیر کے بو سے
منہ فق، مری جا نب وہ چلے آ تے ہیں، گو یا
نالے نے لیے، شب، رخِ تاثیر کے بو سے
وہ چومتے ہیں ہا تھ ادھر، اہر ادھر میں
سوفار کے لیتا ہوں، جگر چیر کے، بو سے
دل نیشتر رشک سے ہو تا ہے مشبک
زنبور! نہ لے اس بدن تیر کے بو سے
نامے کو مرے، یار نے ا نکھو ں سے لگا یا
مل جا ئے، تو لوں نامہ، تقدیر کے بو سے
کرتا ہوں جو تعریف میں اس تنگ دھن کی
لیتے ہیں، مرے لب، مری تقدیر کے بو سے

یوں خا د نہ کرتا، اگر اس لب دے نہ لیتے
ہم سیفتہ! آگے فلد پیر کے، بو سے

دشمن ہمارا کون نہیں تیرے واسطے؟
دیتے ہیں زھر چارہ گزیں تیرے وا سطے
انصاف کر! کہ چرغ کو کیا مجھ سے کا م تھا؟
ساری اذیتے مجھے دیں تیرے وا سطے
افغان دل خراش سے تو ہے جو بے قرا ر
اپنے سے آ پ ہم کو ہے کیں، تیرے وا سطے
تو کیا، ہم آ کہتے ہیں:، ، ہم نے برا کیا،
سب کی برائیاں جو سنہں تیرے واسطے، ،
جس لب کے غیربوسے لیں، اس لب شیفتہ
کم بخت گالیاں بھی نہیں تیرے وا سطے

عشق ذلت ہے، تو ذلت ہی سہی
میری ذلت، تیری عزت ہی سہی
میرے آزاد کی تہمت ہی سہی
تم کو الفت ہے، تو الفت ہی سہی
نہ لکھو نا مہ، نہ بھیجو پیغام
عشق کی آپ سے نسبت ہی سہی
ہم کو شوق ہے نظارے کا
دیکھنے کی تیری عادت ہی سہی

خاک ہونے پہ مرے، دھیان تو ہے
نہ سہی لطف، کدورت ہی سہی

دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے
قتل کی میرے ندامت ہی سہی

ہم نے بھی طرزِ صبا سیکھی ہے
تیری لگ چلنے کی خصلت ہی سہی

سب افسانے کا نہیں ہے جو دماغ
ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی

ناشکیبی کی دعا مانگیں گے
صبر کی ہم کو ضرورت ہی سہی

ہجر تو جائے، جو ہو جائے وصال
وصل ممکن نہیں، فرقت ہی سہی

بخت ناسازکا ہوں شکوہ سرا
آن کی، پردے میں، شکایت ہی سہی

کیجئے اغیار سے ملنا موقوف
مجھ کو الفت نہیں، غیرت ہی سہی

وصل اغیار سے بے وجہ نہیں
میرے مر جانے کی عبرت ہی سہی

دعویٰ الفت و بے تابی حیف!
گر اذیت ہے، ازیت ہی سہی

میری خاطر سے چلو شیفتہ واں
خیر! ان سے تمھیں نفرت ہی سہی

☆

مجھ تازہ گرفتار نے فریاد، زبس، کی
جان اڑ گئی بس کہنہ اسیران قفس کی
پھر شکل نظر آئی مجھے دام و قفس کی
پھر دل نے مرے طرۂ خوش خم کی ہوس کی
بے رحم تہ اس بے خود و بے تاب پہ لیلیٰ
جو اپنے ہی نالے کو کہے بانگ جرس کی
نیرنگ ہے کیا سبزۂ خط رخوں کا
یعنی ہے منافات بہم شعلہ و کس کی
غیروں سے اسے بات نہ کرنے دوں میں، لیکن
یہ بات نہیں، اے مرے ہم دم! مرے بس کی
خود چاک کروں جامہ اعداء کہ نہیں چاک
جی میں ہے کہ لوں دھجیاں ارباب ہوس کی
اے شیفتہ! اس فن میں ہوں اک پیر طریقت
گو عمر ہے میری ابھی اکیس برس کی

☆

دست عدو سے، شب، جو وہ سا غرلیا کیے
کن حسرتوں سے خوں ہم اپنا پیا کیے
شکر ستم نے اور بھی مایوس کر دیا
اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کیے
کب دل کے چاک کرنے کی فرصت ہمیں ملی؟
ناصح ہمیشہ چاک گریباں سیا کیے

تشنیہ چیتے ہیں لب جاں بخش یار سے
ہم مرتے مرتے نام مسیحا لیا کیے

ذکر وصال غیر و شب ماہ و بادہ سے
ایسے لیے گئے، ہمیں طعنے دیا کیے

تھی لحظہ لحظہ، ہجر میں اک مرگ تو نصیب
ہر کم خیال لب سے ترے ہم جیا کیے

طرز سخن کہے، وہ مسلم ہے شیفتہ
دعوے زبان سے نہ کبیت میں نے، یا کیے

اُس کا دل گر میرے جلنے سے، پگھل جاتا ہے،
بل ابھی، شمع کے رشتے کا، نکل جاتا ہے

رشک سے رنگ میں تغیّر جو پائی تو کہا:
''تجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہے''

بھیج کر کس کو، بلاؤں شبِ غم میں؟ کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو، یہ کب سوئے اجل جاتا ہے

صدقے اس خوش حرکاتی کے! سحر، چھیڑنے کو
شب کو، سوتے میں، مجھے عطر وہ مل جاتا ہے

میں تو وہ گرم روِ راہِ طلب ہوں کہ اگر
واں بلائے، تو لبِ بام ابھی پھل جاتا ہے

شجر میں وصلِ اجل کا کوئی جاتا ہے خیال
چارہ گر! جان ہی لے کر یہ خلل جاتا ہے

ہنستے ہنستے جو رکاوٹ تری یاد آتی ہے

اشک، گرتے ہوئے آنکھوں سے، سنبھل جاتا ہے
شیفتہ، بس کہ ہوں میں سرو قدوں کا کشتہ
نخل جو گور پہ اُگتا ہے، سو جل جاتا ہے

☆

گلے پر میرے، نے دشمن کی وہ شمشیر پھرتی ہے
نہ یاں تدبیر چلتی ہے، نہ واں تقدیر پھرتی ہے☆

☆مخطوطہ نسخے کے بعد کی غزل ہے اور اس کے حاشیے پر ہے

ترے خُو کردہ ہجراں نے تجھ کو دیکھ کر، جانا
کہ میری آنکھ کے آگے تیری تصویر بھرتی ہے
نہ کرنا غیر کے گھر کا ارادہ تم کہ مدت سے
تجسس میں فغانِ شوق کی تاثیر پھرتی ہے
نہیں نخچیر تیری قید گہ میں، اے شکار افگن!
مشکل آرزوئے خاطرِ نخچیر پھرتی ہے
ترے گھر سے، مرے گھر کا ہے اُن کو قصد، اے دشمن!
گھٹا چھائی ہے، لالہ کھل رہا ہے، صبح ہے، مے ہے
عنانِ عزم کیوں گلشن سے، بے تاخیر، پھرتی ہے
نگاہ دل ربائے یار طبعِ بو الہوس دیکھی
کہ آپ ہی آپ بے تقریب و بے تقصیر پھرتی ہے
نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ! لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

ادھر مائل کہاں وہ مہ جبیں ہے؟
فلک کو مجھ سے کیوں پرخاش و کیں ہے؟
نہ دیکھا اپنے بسمل کا تماشا
قریب آ کر، وہ کتنا دوربیں ہے
یہ اچھا ہے، تو اچھا! غیر کو بھی
ستاؤ اور پوچھو! ”کیوں غمیں ہے؟“
ہمیں صورت دکھائے کیا تمنا؟
کہ عاشق جس کے ہیں، پردہ نشیں ہے
یہ مجھ سے شکوہ ہے، اللہ رے شوخی!
کہ میرے غم سے تو اندوہ گیں ہے
یہ کیسا تفرقہ ہجراں نے ڈالا؟
کہیں کیا؟ ہم کہیں ہیں، دل کہیں ہے
نہ پوچھو شیفتہ کا حال، صاحب!
یہ حالت ہے کہ اپنے میں نہیں ہے

لطف اوروں پہ رہے، ہم پہ ستم بھی بس ہے
نہ سہی وہ بھی ہمیشہ، کوئی دم بھی بس ہے!
بزمِ دنیا میں ہے دو شخص کو کب عیش نصیب؟
سو تجھی کو رہے! مجھ کو تو یہ غم بھی بس ہے!
دست رس بوسہ پا کی جو نہیں ہے، نہ سہی
اپنے سجدے کے لیے نقشِ قدم بھی بس ہے

سجدہ دوست ہوا عشق کا حصہ، یعنی
اور لوگوں کے لیے دیر و حرم بھی بس ہے
غیر پر چاہیے، اے چرخ! تجھے کرنا جور
مجھ سے ناکام کو تو بخشِ وژم بھی بس ہے
دولتِ وصل سے کیا کام ہوس نا کوں کو؟
نازِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہے
کی تمنائے کرم میں نے، تو فرماتے ہیں:
'' شیفتہ! تیرے لیے جور و ستم بھی بس ہے''

سجدے کی، کسی در پہ، تمنا نہیں رکھتے
گردن پہ سر ناصیہ فرسا نہیں رکھتے☆
اس کوچے میں، اے نگہتِ گل! جلوہ عبث ہے!
ہم کچھ ہوسِ سیر و تماشا نہیں رکھتے
ہر چند کہ ہے آپ سے ملنے کی تمنا
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے
دشوار نہیں رفعِ حجاب آپ سے، لیکن
مطبوع ہم اندازِ زلیخا نہیں رکھتے
یوں چارہ گری غیر کی ہوتی ہے کہ گویا
ہم جاں حزین و دلِ شیدا نہیں رکھتے
مطلب مئے و معشوق سے ناصح کو نہیں، اور
ہم دیدہ بینا، دلِ دانا نہیں رکھتے
کس لطف سے وہ لطف سے فارغ ہیں کہ عشاق

تابِ نگہِ حوصلہ فرسا نہیں رکھتے
دشمن سے ملاقات کی ٹھہری ہے کہ بے وجہ
وہ سر پہ پرندِ گہر آما نہیں رکھتے

☆مخطوطہ نسخے کے بعد کی غزل ہے اور اس کے حاشیے پر ہے

اے شیفتہ! ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

☆

خندہ زن ہیں دوست، میرے دیدہ پُر آب سے
بختِ دشمن کو جگائیں میرے نالے، خواب سے
وصل کی شب میں، نئی باتوں سے ہم واقف ہوئے
شعلہ خس ہے نہایت دیرپا مہتاب سے
میں لہو روتا ہوں، ناحق، ان کا دامن دیکھ کر
ان کا دامن بھر گیا ہے میرے ہی خوں ناب سے
میں وہ مے کش ہوں، اگر بےخود بھی ہو جاؤں کبھی
ہوش آتا ہے مجھے بوئے شرابِ ناب سے
گرم خو دیکھا تو کر دیتے ہیں سب کو بےقرار
دل کو راحت ہو گئی بے تابیِ سیماب سے
جس کو سمجھا آشنا، نکلا غرض کا آشنا
دل ہے افسردہ نہایت، گرمیِ احباب سے
ضد تو دیکھو! تشنہ کامِ شوق مجھ کو جان کر
قتلِ کرتا ہے ستم گر خنجر بے آب سے
فرشِ مخمل پر تھے وہ ہم خوابِ دشمن، خواب میں

رونگٹے میرے کھڑے ہوتے ہیں نامِ خواب سے
کس کی زلفِ خم بہ خم پھر لے گئی تاب و قرار؟
شیفتہ! پھر کچھ نظر آتے ہو تم بے تاب سے

رقیبِ بوالہوس کا منہ ہے، لطفِ جور کو دیکھے
وہ اپنی وضع کو دیکھے، ہمارے طور کو دیکھے
پری وش بھی ہیں شیدائی کے شیدا، ناصحو! دیکھو
بھلا کب دیکھ سکتے ہیں کہ عاشق اور کو دیکھے
نظر سے فتنے کی، گردش سے گردوں کی، بچا وہ ہے
جو چشمِ مست کو ساقی کی، میگے دور کو، دیکھے
صفائی غیر سے کچھ، مکدر میں نہیں تم سے
کوئی کیا خاک خوش ہو، جب کسی بد طور کو دیکھے
وہ اپنی تاب کو دیکھے، ہمارے جور کو دیکھے

پھر نصیحت کی کس کو تاب رہے؟
جو یہی دل کو اضطراب رہے
جب خطائے تکردہ ثابت ہو
عقل کیا برسرِ صواب رہے؟
بوئے گل کام کر دکھی اپنا
دخترِ رز تہِ نقاب رہے؟
مل گیا دوستِ منتخب، پھر کیوں
شعر کا شوقِ انتخابِ انتخاب رہے؟

واہ رندی و مے کشی کہ یہاں
عمر بھر عالمِ شباب رہے
جب پڑی لذتِ ہم آغوشی
پھر بغل میں کہاں کتاب رہے؟
تا نہ غافل ہو انجمن، ساقی!
دور میں ساغرِ حباب رہے
بزمِ دشمن کا عزم تھا موقوف
تھوڑی دیر اور اگر سحاب رہے
ہے بڑھاپے میں خوفِ بدمستی
کہ جوانی میں کم خراب رہے☆

☆

سب وہ مستِ شرابِ تاب رہے
اور ہم ان سے کام یاب رہے
مخطوط نسخے کے حاشیے پر۔
شیفتہ! کوئی حال وارد ہو
پر معارف سے اجتناب رہے

☆

منہ بناتے ہوئے، اس کُو سے گزر کرتا ہے
اب تو لو، غیر بھی دل میں مرے گھر کرتا ہے
ذبح اس کو بھی مئوذن ہی مگر کرتا ہے
کیوں شبِ وصل میں نل مرغِ سحر کرتا ہے
یاد میں اُس درِ دنداں کی، مئوا جاتا ہوں

کارِ الماس مرے حق میں گہر کرتا ہے
اس کے ناوک کی توجہ پہ مری جان نثار
ہاتھ سے چھوٹتے ہیں ہی قصدِ جگر کرتا ہے
گر نہیں یہ کہ برتتا ہے وہ ظاہر داری
کیوں نگاہِ غلط انداز ادھر کرتا ہے؟
دلِ مضطر کی رہائی میں نظر رکھتا ہے
جو ترے طُرہ خوش خم پہ نظر کرتا ہے
دیکھیے، آہ ہماری بھی اثر کرتی ہے
سخنِ درد، سنا ہے کہ، اثر کرتا ہے
ایک دن، شام ہماری بھی سحر کر دے گا
وہی جو شام کو ہر روز سحر کرتا ہے
دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں مگر مرغِ چمن
آج کچھ نالہ پہ الحانِ دگر کرتا ہے
آج پھر ماتمِ یوسف ہے ہر اک کوچے میں
کارواں مصر کو، کنعان سے، سفر کرتا ہے
بد گماں آپ غلط محرمِ اسرار سے ہیں
دل ہمیں رازِ نہانی کی خبر کرتا ہے
جان کھونی ہو جسے مدِّ نظر، مثلِ حباب
وہی مشتاقِ فنا چشم کو تر کرتا ہے
شیفتہ، جس کو نہیں عشق وہ، اپنے نزدیک
کیا بری طرح سے دنیا میں بسر کرتا ہے

عشق کی میرے، جو شہرت ہو گئی
یاد سے مجھ کو ندامت ہو گئی

خاک، عرضِ مدعا اس سے کروں
جس کو باتوں میں کدورت ہو گئی

یاں سے جانے کو ہیں وہ آ چک کہیں
کیا بلا، اے ابرِ رحمت! ہو گئی؟

اب ستم اغیار پر کرنے لگے
میرے مر جانے سے عبرت ہو گئی

جلوہ معنی نظر آنے لگا
پیتے پیتے مے، یہ صورت ہو گئی

ان کی باتیں، اس نے بھی چھپ کر سنیں
آج ناصح کو نصیحت ہو گئی

منعِ وصلِ غیر پر ہنس کر کہا:
'' بارے، اب تم کو بھی غیر ہو گئی''

بوئے گل اس گل کی بو کے روبہ رو
فی الحقیقت، بے حقیقت ہو گئی

بس، نہ فرماتے پھرو یہ شیفتہ!
گو انہیں تم سے محبت ہو گئی

وہ جو اُٹھے، جان رخصت ہو گئی
شیفتہ! یہ کیا قیامت ہو گئی؟

بوئے یار اس بزم میں آئی مجھے
جب مجھے ساقی سے الفت ہو گئی

جلوہ، بے ڈھب، مانعِ نظارہ ہے
وصل میں تاثیرِ فرقت ہو گئی

نغمہ و مے سے مجھے کیا کام تھا؟
ان کی صحبت میں یہ آفت ہو گئی

بے سخن، نسبت مع اللہ ہے، اُسے
قوم سے جس کو کہ نسبت ہو گئی

اب رقیبِ بو الہوس ہیں عشق باز
دل لگانے سے بھی نفرت ہو گئی

ق

سچ کہوں گا، گو ہیں دونوں آشنا
بے شم، ان سے سہو و غفلت ہو گئی

عشق سے کیا کیا خرابی پڑ گئی
عقل سے کیا کیا حماقت ہو گئی

شیفتہ اک رند مشرب شخص ہے
کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی؟

☆

ملنے کا مرے اور ترے، چرچا نہ کریں گے
گر دوست ہیں اغیار، تو رسوا نہ کریں گے

بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ، یہ سمجھ کر
یہ اہلِ مروت ہیں، تقاضا نہ کریں گے

کب اہلِ خرابات کوئی راز کہیں گے؟
جب تک کہ نہ ہم سے ہمیں بیگانہ کریں گے

پہنچا ہوں میں مرنے کے قریب، آتے ہیں دیکھو!
وہ دور ہیں اب پاس عدو کا نہ کریں گے

جاتے ہو اگر غیر کے گھر، ضد ہے ہماری
ہم آپ کے آنے کی تمنا نہ کریں گے

مسجد میں بھی آتا ہے خیالِ خمِ ابرو
ہم راست بیانی میں محابا نہ کریں گے

وہ مجھ سے نہ بولیں، کبھی یہ بات نہ ہو گئی
وہ غیر سے باتیں کریں، ایسا نہ کریں گے

اے حور لقا! کیوں نہ تمنائے جناں ہو
کیا واں ترے ملنے کا ارادہ نہ کریں گے؟

ہم آپ پہ غش ہیں، تو غش آیا، یہ سخن کیا؟
''تم آپ سے جاتے ہو، ہم آیا نہ کریں گے''

ہرگز بھی نہیں خاطرِ جاناں میں ٹھکانا
اے شیفتہ! ہم دعویٰ بے جا نہ کریں گے

کیوں نہ مجھے کو مرضِ یاس کر شدت ہو جائے؟
ملک الموت بھی جب بہرِ عیادت ہو جائے

گر یہ غیر سے وہ بہرِ عیادت ہو جائے
اشکِ شادی ہی یہ، کاش! اشکِ ندامت ہو جائے

اپنے ہی عشق کی نسبت سے ہوا، شادی مرگ

کیا کروں اس کو بھی گر مجھ سے محبت ہو جائے؟
اور اگر کچھ نہ ہو دامانِ اجل تو کھینچوں
کاش! اتنی ہی مجھے ہجر میں طاقت ہو جائے
نیم جاں وہ ہوں، وہاں قتل کا آئے جو خیال
تو یہاں، اس سے کہیں پہلے فراغت ہو جائے
سانس بھی کل تو نہ تھی، آج نکلتی ہے آہ
مجھ کو ڈر ہے کہیں پھر مجھ کو نہ مہلت ہو جائے
ناصحو! منع کرو جب، تو یقینی مانوں
تم کو بھی گر کسی بے درد سے اُلفت ہو جائے
پاکے مائل مجھے مرنے پہ، بڑے وعدے ہیں
ہے بڑا لُطف! اگر اب مجھے صحت ہو جائے
شیفتہ! ایسی اُڑا اہلِ کدورت کی خاک
دیکھ کر شیشہ ساعت کو بھی عبرت ہو جائے

☆

ہے ستم، واقف ہو میرے حال کی تغیر سے
بو الہوس کہتے ہو پھر اک آہِ بے تاثیر سے
عشق میں اک صید افگن کے، ہے یہ جوشِ جنوں
فصد میری کھولنا جراح! نوک تیر سے
چاہیے اغیار کو بی اپنے منہ پر کچھ ملیں
چاہ ثابت ہوتی ہے واں رنگ کی تغیر سے
مر رہا ہوں دردِ فرقت میں، نہیں دیتا کوئی
سچ اگر پوچھو! تو سم بھی کم نہیں اکسیر سے

ہاتھ میں دیکھا جو تیرے، قبضِ جاں ہونے لگی
دستِ دشمن کم نہیں کچھ قبضہ شمشیر سے

عشق کا سودا نہیں جاتا ہے بعد از مرگ بھی
دیکھ لو! وحشت ہے ظاہر قیس کی تصویر سے

کیا غضب ہیں وہ بھی! پڑھوا یا عدو سے خط مرا
تھی جو آگاہی شکایت کی انہیں تحریر سے

وصل میں روتے تو شاید کچھ اثر ہوتا اُسے
کیا شبِ غم میں حصول اس آہِ بے تاثیر سے؟

ننگِ مہمانی دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ! لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

کیا ذکر اس کے آگے مری آہ کا چلے
جس گل کی شمعِ بزم سے بچ کر ہوا چلے

یوں بعدِ ذبح چھوڑ تڑپتا ہوا، چلے
قربان ایسے آنے کے! کیا آئے، کیا چلے؟

ناصح! تری زبان ترے بس میں جب نہ ہو
انصاف کر! کہ دل پہ مرا زور کیا چلے؟

محروم ہوں رقیب بھی جلوے سے یار کے
بجھ جائے شمع، بزم میں ایسی ہوا چلے

اللہ! کیا غرور ہے تم کو کہ بزم سے
ہم کتنے جلد اُٹھے، پہ نہ اتنا کہا: ''چلے؟''

یہ شوقِ وصل ہے کہ اگر پاؤں ٹوٹ جائیں

ان کی گلی کی سمت مرا نقشِ پا چلے
مانا کہ جلد آؤ گے! پر اس کا کیا علاج؟
پہلو سے اُٹھتے، یہ جو مرا جی بٹھا چلے
کیوں روکتا ہے، اس میں ضرر کیا ہے؟ سارباں!
دیوانہ ایک گر پسِ محمل لگا چلے
افسوس! اس نے کچھ نہ کہا، سن کے حالِ دل
ہم، قصہ خواہ کی طرح، فسانہ سنا چلے
دیکھا جو نزع میں مجھے، کچھ رحم آگیا
گر زہر دینے آئے تھے، شربت پلا چلے
وعدہ عدو کا، آپ کی تکرار سے کھلا
میں نے یونہی کیا تھا کہ'' کیا آئے، کیا چلے''
یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بے وفا
روتے مرے جنازے پہ کیوں اقربا چلے؟
دل گل کہیں جو جائے، تو کیوں کر ملے سراغ
مانندِ گرد، جس کی جلو میں صبا چلے
گرمی کے عذر سے، اُنہیں جانے کا قصد ہے
اے آہِ سرد! رحم، کہ ٹھنڈی ہوا چلے
کیسا ہی غم رسیدہ ہو، یاں آکے شاد ہو
اک ہم تمہارے پاس خوش آئے، خفا چلے
تھی کب سے مرگ و حسرتِ دیدار میں نزاع
وہ آگے، ایک لمحے میں، جھگڑا مٹا چلے
جلدی ہے کیا؟ ٹھکانا بھی پیدا کریں کہیں

آخر تری گلی سے تو اے بے وفا! چلے
کیا پیش آئے؟ دیکھیے، واں جا کے دوستو!
کہ دو کہ ''پیچھے پیچھے مرے رہ نما چلے''
اے جان! لب پہ آ کے ٹھہرنے سے فائدہ؟
رہنا ہوا تو رہ گئے، چلنا ہوا، چلے
کس کس سے اس میں بگڑے گی، کچھ یہ بھی دھیان تھا
باتیں تو آپ شیفتہ! ان سے بنا چلے

☆

ظالم! کبھی تو دادِ دل و چشمِ تر ملے☆
سینے سے سینہ اور نظر سے نظر ملے
بے صرفہ ہے مشقتِ تحریر و صرفِ زر
رستے ہی میں، ہمیشہ، ہمیں نامہ بر ملے
ہے دشمنوں سے ان کو ملاقاتِ ابرو کشت
ملتے ہیں ہم سے، جیسے کہ خس سے شرر ملے
کیا پوچھتے ہو'' لطف کروں تجھ پر کس قدر؟''
اذنِ غرور و ناز تمہیں جس قدر ملے!
ہم خوب جانتے ہیں تمہارے بگاڑ کو
غیروں سے لڑ کے ہم سے بھی تم بیش تر ملے
نیرنگِ عشق دیکھ! کہ منظور ہے انہیں
گلگونے میں چکیدہ مژگانِ تر ملے
محفل طرازیوں کے مزے سب دکھاؤں گا
وہ اتفاق سے کہیں تنہا اگر ملے

اب ہے انہیں تلاش ہماری، تو فائدہ
وہ وقت ہی گیا کہ ہمارا اثر ملے

کھائے تلاشِ کوچہ جاناں میں سو فریب
سبزہ جہاں ملا، میں یہ سمجھا، خضر ملے

☆مخطوطہ نسخے کے بعد کی غزل ہے اور اس کے حاشیے پر ہے

ظالم! تبسمِ نمکیں میں نہ کر دریغ
آخر ذرا تو لذتِ زخمِ جگر ملے

وہ شیفتہ کہ دھوم ہے حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے؟

☆

ابر دریوزہ گرِ آب ہے اکثر ہم سے
برق بھی مانگ کے لے جاتی ہے اخگر ہم سے

صلحِ کُل اپنی تو دانست میں بے معنی ہے
وہ ہوئے صاف، تو ہے غیر مکدر ہم سے

ناصحو! ساری نصیحت حسد و رشک سے ہے
ترک ہوتا ہے کوئی عیشِ مقدر ہم سے

گردنِ غیر پہ چلتے نہیں دیکھا، ہرگز
پیار رکھتے ہیں مگر دشنہ و خنجر ہم سے

شیفتہ! سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا
ورنہ صنعت میں بہت لوگو ہیں بہتر ہم سے☆

☆نسخہ مخطوطہ میں مقطع یوں ہے:

سخنِ راست ہے، نے کذب، نہ ہے لاف، نہ ہزل
شیفتہ! کوئی سخن ور نہیں بہتر ہم سے

☆

دل لیا جس نے، بے وفائی کی
رسم ہے کیا یہ دل ربائی کی؟

تذکرہ صلحِ غیر کا نہ کرو
بات اچھی نہیں لڑائی کی

تم کو اندیشہ گرفتاری
یاں توقع نہیں رہائی کی

وصل میں کس طرح ہوں شادیِ مرگ؟
مجھ کو طاقت نہیں جدائی کی

دل نہ دینے کا ہم کو دعویٰ ہے
کس کو ہے لاف دل ربائی کی؟

ایک دن، تیرے گھر میں آنا ہے
بخت و طالع نے گر رسائی کی

دل لگایا، تو ناصحو کو کیا؟
بات جو اپنے جی میں آئی، کی!

ق

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر
دین داری وا پارسائی کی

آخرِ کار مے پرست ہوا
شان ہے اس کی کبریائی کی!

☆

اپنی شوخی کی بھی خبر کچھ ہے
زلزلہ آسمان پر کچھ ہے

زاریِ شب کے زور تو دیکھے!
تجھ میں بھی دم، دمِ سحر کچھ ہے؟

رازِ پوشیدہ پوچھیے کس سے؟
بے خبر ہے، جسے خبر کچھ ہے

نالہ سنتے نہیں، تو بات سنو
خوب! باتوں میں بھی اثر کچھ ہے

عشق کے اب کہاں وہ ہنگامے
دردِ دل، سوزشِ جگر، کچھ ہے

حسن کیا عرضِ جلوہ کرتا ہے؟
شہر میں شورِ الحذر کچھ ہے

اس کے نیرنگ سے ٹپکتا ہے
کہ عدم سے بھی پیش تر کچھ ہے

کھوئی باتیں ہیں اور پہلو دار
ہاں! ترے دل میں سیم بر! کچھ ہے

عشق مُں ساری خوبیاں ہیں جمع
اک مگر جان کا ضرر کچھ ہے

رم بہت، اُنس کم، ہے طینت میں
وہ بہت ہے پری، بشر کچھ ہے

دوست یوں" ان یکاد" پڑھتے ہیں

کہ مری سمت اسے نظر کچھ ہے
برق ہے روزگارِ خندہ گل
ناز یہ، فرصت اس قدر کچھ ہے
شیفتہ بھی ہے مجمعِ اضداد
کچھ ہنر مند، بے ہنر کچھ ہے

ناز کی کیا ہوئی، کیوں غش نہیں، کیا صورت ہے؟
آئینہ دیکھنے سے ان کے مجھے حیرت ہے
غیر! تُو طعنہ نہ دے، گو کہ مجھے فرقت ہے
کوہ کن کیا کہیں خسرو سے بھی بے غیرت ہے
عشق سے اور بڑھی ہائے! قساوت دل میں
غیر کو رنج ہوا ہے، تو ہمیں راحت ہے
کچھ نئی بات نہیں وعدہ، تسلی کیا ہو؟
وہی حرمان، وہی یاس، وہی حسرت ہے
مجھ سے آزردہ ہو کیوں؟ میں بھی تو کہتا ہوں یہی
تم ملو غیر سے، ممکن ہے، یہ سب تہمت ہے
گر عیادت کو، عدو کو بھی لیے آئیں، تو خوب
کہ مرا رشک سے مرنا، سببِ عبرت ہے
غیر کو، یاد رہے! تیری محبت ہی نہیں
اور اگر ہے، تو ترے محو سے کیوں نفرت ہے؟
اے عدو! کس لیے نازاں ہے؟ سمجھ تو آخر
جس سے ہم خوار ہوئے ہیں، یہ وہی عزت ہے

چشم سے اشک رواں، لب پہ ہے آہِ سوزاں
شیفتہ! کس کے لیے آپ کی یہ حالت ہے؟

آؤ، مسل جاؤ، لڑائی ہو چکی
ایک دم صبر آزمائی ہو چکی
ایک حالت پر نہیں رہتا کوئی
اب وفا ہو، بے وفائی ہو چکی
ہم سبک ہوتے ہیں، اپنے ہاتھ سے
جوں ہی وہ بگڑے، لڑائی ہو چکی
ضعف سے ہے آپ میں آنا محال
اس کے کوچے تک رسائی ہو چکی
اب کے جس صورت سے ہو مل جایئے
غیر کہتے ہیں: ''صفائی ہو چکی''
شیفتہ! یاں عشق یہ، واں حسن وہ
دونوں عاجز، پارسائی ہو چکی

زہر سے، الماس سے، تلوار سے
مجھ کو اُلفت ہے انہیں دو چار سے
لے چلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں
آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے
نعش اُٹھانے کا ہی اب ساماں کریں
چارہ گر بیٹھے ہیں کیوں ناچار سے؟

ذکرِ وصلِ غیر کر بیٹھے، مباد
کیا ملیں ہم، محرمِ اسرار سے؟
پھر تو قابو میں اجل کے آچکے
بچ گئے گر ہم، غمِ دل دار سے
کاٹ کر سر، خط کی جا بھیجا اُسے
کام خامے کا، لیا تلوار سے
جب ہمارا رشک سے جی بھر گیا
بزم خالی ہو گئی اغیار سے
جو گلہ سمجھے تھے، نکلا شکر، ہائے!
کی شکایت ہم نے کس عیار سے؟
واہ! ہم تو دیکھ کر مر جائیں، اور
زندہ ہوں مردے تری رفتار سے
وہمِ آسائش سے وحشت ہو گئی
اُس پری کے سایہ دیوار سے
پھر بلا سے! کوئی بیٹھے شیفتہ
اُٹھ گئے جب آپ کوئے یار سے

لطف ظاہر سے مرے آزار سے
آشتی ہے مدعا پیکار سے
فیض یابِ نور و آئیں بند حسن
مہر اس کے پرتوِ رخسار سے
ساقیا! بنت العنب وہ لاکھ ہو

دل ربا تر شاہدِ بازار سے
غیر کو سیدھا بنایا یار نے
ہے تعجب چرخِ کج رفتار سے
جی اٹھے فرہاد، اگر شیریں کہے:
''کیوں صدا آتی نہیں کہسار سے؟''
کیا کہوں جوہر شناسی یاد کی
مجھ کو مارا تیغِ جوہر دار سے
بلبلِ شوریدہ بے تاب و مست
اس کے کوچے کو چلی گل زار سے
ہم کناری کی ہوس تھی، وقتِ قتل
ہم لپٹ کر رہ گئے تلوار سے
ہائے جوشِ بے خودی، ہائے جنوں
رازِ الفت کہ دیا اغیار سے
واہ ہوشِ پاس بدنامی کہ ہے
فکرِ اخفاء محرمِ اسرار سے
جلد کھولو شیفتہ! آغوشِ شوق
یہ صدا آئی ابِ سوفار سے

☆

ترک ہونا یار اور اغیار سے
قطع ہونا ربطِ گل ہے خار سے
کام جوئی اور دعویٰ عشق کا
یار ہی یاں مدعا ہے یار سے

ہے ضرورت غیر کو، واقع میں، آج
آپ ٹھہراتے ہیں کیوں اصرار سے؟

آہ و زاری سے شکوہ حسن ہے
جیسی رونق باغ کی، اشجار سے

جُز دلِ شوریدہ لذت، کون اُٹھائے؟
عندلیبِ مست کی گفتار سے

دیکھ لیں گے ہم بھی، گر اغیار کو
آپ نے جھانکا سرِ دیوار سے

فصد کے قابل دلِ بیمار ہے
چارہ جو ہے نرگسِ بیمار سے

اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہے
بارگاہِ ثابت و سیار سے

دیدنی ہے وہ جگہ، جو ہے الگ
سات جنگل اور نو بازار سے

شیوہ ہائے برقِ خاطف شیفتہ
جلوہ گر ہیں اس کے شوخ اطوار سے

کچھ بات راز کی ہے، ذرا پاس آیئے!
جی میں ہے آج خوب عدو کو بنایئے

بلبل! خزاں میں آتشِ دل یوں بجھایئے
گل کر کے شمع، شمع کے قربانی جایئے

رونا ہوا ہے اشکِ ندامت کہ ہنس کے وہ

کہتے ہیں: ”اور بھی کوئی دریا بہائیے“
بوسہ ہنسی ہنسی میں جو کل لے لیا، تو پھر
کہنے لگے: ”بھلا، تمہیں کیا منہ لگائیے؟“
سو بار انجمن سے اٹھاؤ، ہم آئیں گے
اب ٹھن گئی کہ ناز تمہارے اٹھائیے
آتا ہے رحم، ناز کی گوشِ یار پر
اے وائے! کیوں کر حالِ دل اس کو سنائیے؟
تدبیرِ صلح خوب ہے، بن آئے بات تو
جی میں ہے: آج غیر سے آنکھیں لڑائیے
گزرا میں اعتمادِ محبت کے فخر سے
مجھ کو رقیب جانیے، پر آپ آیئے!
اک نسیم ناز بس ہے ہمارے ہلاک کو
کچھ بھی نہ کیجیے، دیکھ کے بس مسکرائیے
دشنام و نغمہ، اس میں ہمیں بحث کچھ نہیں
سنتے ہیں، آج آپ ہمیں کچھ سنائیے
واعظ کے قول خوب ہیں، رندوں کے فعل خوب
وہ اس سے سیکھ لیجیے یہ ان کو سکھائیے
بے محوِ نقشِ کہنہ، کہاں جائے نقشِ نو؟
سر مشقِ دل سے نقشِ تمنا مٹائیے
ہر چند سیر کی ہے بہت تم نے شیفتہ
پر میکدے میں بھی کبھی تشریف لائیے

☆

لب میں اگر نہیں، تو ہمارے سخن میں ہے
جو خاصیت کہ اس لبِ اعجاز فن میں ہے

یا مرسل الریاح! ادھر کو بھی بھیج دے
وہ بوئے خوش کہ جیبِ نسیمِ چمن میں ہے

دیتی ہے چشم روشنیِ چشم، روشنی
آمد نسیمِ مصر کی بیت الحزن میں ہے

نیرنگِ نو بہار ہے عشوہ طلسم کا
کیا عندلیب دامِ فریبِ چمن میں ہے؟

پیرانِ کہنہ بن گئے اطفالِ خرد سال
کیفیتِ عجب مرے دیوانہ پن میں ہے

الماس لے کے آئیں گے، دیتے ہیں یہ نوید
لذت نئی کچھ آج جو زخمِ کہن میں ہے

وہ آہوئے رمیدہ کہ ہم جس کے صید ہیں
نے وادیِ تتار، نہ دشتِ ختن میں ہے

شیوہ تمام غنچہ نشگفتہ کا ہنوز
بندِ قبائے شاہدِ گل پیرہن میں ہے

کیا غیر پر بھی شعلہ برقِ غضب پڑا؟
ٹھنڈک سی آج کچھ مرے دل کی جلن میں ہے

شیریں سے بہرہ ور نہ ہوا، ایسے شوق پر
کیا سطوتِ رقیب دلِ کوہ کن میں ہے؟

خلوت میں شیفتہ سے کوئی مل کے کیا کرے؟
وہ شخص انجمن میں بھی اور انجمن میں ہے

ہوا نہ مد نظر، چشم یار کے بدلے
ہزار رنگ یہاں روزگار کے بدلے
صبا کو بھائی جو محفل کی تیری، رنگینی
چمن کو داغ دیے لالہ زار کے بدلے
کیا ارادہ اگر سیرِ باغ کا تم نے
قیامت آئے گی ابرِ بہار کے بدلے
خلافِ عہد ہے شیوہ، تو کیا قباحت ہے؟
ستم کا عہد، وفا کے قرار کے بدلے
عجب ہی شہر ہے دلی بھی، شیفتہ! ہرگز
میں روم و شام نہ لوں اس دیار کے بدلے

میری خوشی کا ان کو نہایت خیال ہے
کچھ ان دنوں میں غیر سے شاید ملال ہے☆
بے کچھ سنے، ہیں رشک سے دل پر ہزار داغ
نامِ خدا! یہ گرمیِ حسن و جمال ہے
نے تاب وصلِ غیر، نہ نیروئے منعِ غیر
تقدیر سے معارضے کی کیا مجال ہے؟
قصد جواب ہو بھی، تو کیا خاک دیں جواب
بے صرفہ، متصل، یہ ہجوم سوال ہے

کچھ میرے عشق میں تمہیں شک ہو، تو سامنے
دیوانِ خواجہ حافظِ فرخندہ فال ہے
ہم نے کیا جہاں سے گزر کر جہاں مقام
واں وسعت سپہر و زمیں پائمال ہے
ہے شانہ کش جو زلف پریشان میں بوالہوس
فکر وصالِ عاشق آشفتہ حال ہے
ممکن نہیں کہ برقِ تنگہ غیر پر پڑے
جز چور اور پر ہو تجلی، محال ہے
کچھ آج شیفتہ ہے نہت مضطرب، مگر
جائے کا اس کے غیر کے گھر احتمال ہے

ایام حجر میں جو اجل کا خیال ہے
بے شک، چکاغ میں اثر اختلال ہے
خوش تھے کہ خونبہائے نظر، یہ خبر نہ تھی
کیش جفا میں، خون ہمارا حلال ہے
ان کے خلاف وعدہ سے میں شرم سار ہوں
کیوں کر کہوں؟ کہ:، ، مجھ سے انھیں انفعال ہے،،
کیا نسترن ہو تم کہ پیاری شمیم ہے؟
کیا برگ گل ہو تم کہ یہ زیبا جمال ہے؟
ساقع دہ، مے کدے میں، سر۔ ناؤ نوش ہے
صوفی کو، کانقہ میں، سر وجد و حال ہے
عاشق کو اضطراب ہے، عجز و نیاز ہے

معشوق کو غرور ہے، غمزہ و دلال ہے
منظور ہے حکیم کو ہر شے کی معرفت
حالانکہ اپنی معرفت اپنی محال ہے
ہر کام فلسفی کا سفاہے کے ساتھ ہے
ہر بات منطقی کی مراو جدال ہے
ارباب حکمت نظری کی عمل نہیں
اہل کلام کو ہوس قیل و قال ہے
جن کو کہ دست گاہ ہے فن نجوم میں
عمر ان کع، صرفِ زائچہ ماہ و سال ہے
رہتے ہیں بعضدر پے اسراف، رات دن
بعضوں کو، روز و شب، سرِ توفیرِ مال ہے
بعضوں کو ہے مذاق میں فخرِ نسب لذیذ
بعضوں کو ذوقِ دعوئ فضل و کمال ہے
مفلس کو فکر ہے کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
منعم غریقلجہ میم زوال ہے
جو ہیں حریص سیر چمن، ان کو بزم میں
ذکر شجر کبھیِ کبھی فکرِ نہال ہے
جی میں کس کے کی خواہش آرائش لباس
دل میں کسی کے حسرت جا ہ و جلا ل ہے
کوئی طلب میں اشہب گل گوں بظیر کی
کوئی اسیرِ شوق شکار غزال ہے
کوئی فدائے قامت آفت کرام ہے

کوئی خراب نرگس جادو مثال ہے
باحق کسی وہ شکر، کسی کو شکایتیں
بے وجہ کوئی خوش ہے، کسی کو ملال ہے
کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ؟
اس کا، جو دیکھے تو، بہت کم خیال ہے

تری خوبیاں غیر کیا جانتا ہے؟
تو جیسا ہے، بس جی مرا جانتا ہے
ہوا انس کیوں دل کو اول نظر میں؟
کہ وہ مجھ کو زود آشنا جانتا ہے
تظلم، سے ہوتی ہے بے داد، افزوں
شکایت کو شکر جفا جانتا ہے
گرفتاری غیر کا ذکر مجھ سے
مجھے کس قدر مبتلا جانتا ہے
مجھے افعیِ ذلف نے کاٹ کھایا
کوئی شخص اس کی دوا جانتا ہے؟
وہ گل میرے رونے سے ہوتا ہے کرم
کہ اپنا وہ نشو ونما جانتا ہے
سم گر کہے سے برا مانتا کیوں؟
سم کو اگر وہ بھلا جانتا ہے
کبھی گیر پر جور ہوتے نہ دیکھا
مجھی کو بس اک آزما جانتا ہے

یہ دھوکا نہ کھانا کہ کم عمر ہے وہ
ابھی شیوۂ ناز کیا جانتا ہے
تامل نہ کر، قتل میں میت، ہر گز
کہ عاشق کا تو خوں بہا جانتا ہے
تامل نہ کر، قتل میں میرے، ہر گز
کہ عاشق کا تو خوں بہا جانتا ہے
حذر بے سے واجب ہوا، شیفتہ، اب
مجھے یار بھی پارسا جانتا ہے

☆

فقط پیار جور و جفا جا نتا ہے
یہی جانتا ہے، تو کیا جا نتا ہے؟
جو بیگانہ جانت تجھے خلق کِیا گم
اگر آشنا، آشنا جانتا ہے
نہ ممنون دل طرۂ مشک بو کا
نہ الطاف باچ صبا جانتا ہے
ہزاروں گئے جان سے اک ادا میں
عجب شیوۂ دل ربا جانتا ہے
مری چشم پرنم کا حال، اس سے پوچھو
کہ وہ خوب یہ ماجرا جانتا ہے
شکایت ہمیں شکوۂ شکر سے ہے
کہ اب وہ جفا کو وجا جانتا ہے
اسے کنج خلوت کی کیا ہے ضرورت؟

جو محفل کو خلوت سرا جانتا ہے
بہرا صورت، آئینہ بھی مغتنم ہے
کچھ آئین اہلِ صفا جانتا ہے
عدو کی رعایت سے، مجھ کو ستاتا
وہ انصاف کا مقتضا جانتا ہے
ہمیں شیفتہ کی نصیحت سے حاصل؟
کہ وہ آپ ہم سے سوا جانتا ہے

سمجھ لے، اور کوئی دن، رقیب خوار مجھے
عزیز رکھتے ہے اب ان کے راز دار مجھے
شراب عشق ہے، کیا دھشت خمار مجھے؟
جنونِ شوق ہے، کیا حاجت بہار مجھے؟
اگر کہو کہ: تو عاشق نہیں، ، میں سچ جانوں!
تمہاری بات کا ایسا ہے، اعتبار مجھے
حصول نام سے؟ دل کو اگر نہ ہو آرام
بہت عزیز نہیں جان بے قرار مجھے
عدو کو رشک ہے، ایسا کہ مفت میں گویا
ملی ہے، جائے نفس برق شعلہ بار، مجھے
عجیب عشق میں تہذیب نفس ہوتے ہے
نہ شوقِ میں تہذیب نفس ہوتی ہے
نہ شوق باغ رہا، نے سر شکار مجھے
ملا عدو کو مے و نغمہ، برق و باراں سے

سبا سے خاک ملی اور گل سے خار مجھے
خلاف وعدہ مسلم، وفائے وعدہ غلط
غرض کچھ اور نہیں غیرِ انتظار مجھے
خجل ہوں آپ، میں بے وقت اپنے آنے سے
تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرم سار مجھے
وہی رقیب سے صحبت، وہی قدح خواری
کیا ہے آپ نے نا حق امیدوا مجھے
جفا کو ترک کرو تم، وفا کو میں چھوڑوں
کچھ اشتہار تمہیں ہو، کچھ اشتہار مجھے
رہے سرائر مکتومہ دل ہع میں، افسوس!
جہان میں نہ ملا کوئی راز دار مجھے
تمام شورش و سر تا قدم شکایت ہوں
نعوذ باللہ! اگر واں ملے گرار مجھے
ہلاک جلوۂ زیبا، خراب بادۂ ناب
تمھارے، شیفتہ! معلوم ہے شعار مجھے

☆

ابھی کہوں، تو کریں لوگ شرمسار مجھے
کہ کسی کے وعدے پہ اتنا ہے انتظار مجھے؟
ہزار شکر! کہ اس کع گلی میں چھوڑ گئی
نسیم جان کے اک ناتواں غبار مجھے
کرم کرم نہ سمجھ! گر کسی غرض سے ہو
ستم، ستم نہ سمجھ! گر ہو امتحاں کے لیے

جو بوستاں میں گیا، میں ہلاک قامت یار
قیامت آئے گی شمشاد بوستاں کے لئے
ہر ایک سے ہوئی قسمت، بہ قدر استعداد
خرد ہے پیر کے، اور زور ہے جواں کے لئے
غرض یہ ہے کہ مگر جائیں، گر پڑے حا بت
کہ مسہر بامے پہ کرتے نہیں، نشاں کے لئے
نہ مے کدے میں ترانہ، نہ خانقہ میں سماع
دعائے خیرہے اس آ فت جہاں کے لئے!
متاع دانش و دیں کع ضرور ہے تسلیم
کمال بے ادبی ہے سخن اماں کے لئے
زباں ہے عشق میں، ہم خود بھی جانتے ہیں، مگر
معاملہ نکتہ بس ہے کہ آفت ہے نکتہ داں کے لئے
ہمارے ساتھ ہیں وہ موشگافیاں، کہ نہ پوچھ!
یہ نکتہ بس ہے کہ آفت ہے نکتہ داں کے لئے
اثر اگرچہ بنا، بہر ناز دل کش دوست
مگر کچھ اپنی بھی آہ جگر فشاں کے لئے
یہ ضبط رازکی تعلیم، شیفتہ، بے جا
زبان ہم کو ملی ہے اگر بیاں کے لئے

جو کوئے دوست کو جاؤ پاسباں کے لئے
نہیں ہے خواب سے بہتر کچھ، ارمغاں کے لئے!
تمام علت درماندگی ہے، قلت شوق

تپش ہوئی پر پرواز، مرغ جاں کے لئے
سنی اکابر دیواں سے آخر آیہ یاس
غلط تھی چلی ہی کوشش خطِ اماں کے لئے
نگاہ لطف تری، دل کے واسطے ہے نسیم
نگاہ خشم تری بند ہے زبان کے لئے
نگاہ لطف تری، دل کے واسطے ہے نسیم
نگاہِ خشم تری، بند ہے زبان کے لئے
شریک بلبل و قمری ہے، وہ زبوں فطرت
جو بے قرار رہے سیرِ گلستاں کے لئے
امید ہے کہ نباہیں گے، امتحاں لیکر
جو اس قدر متقاضی ہیں امتحاں کے لئے
نہ خاکیوں سے تعلق، نہ قلسیوں سے ربط
نہ ہم زمیں کے لئے ہیں، نہ آسماں کے لئے
شب وصال ہے پیغام روزِ فرقت کا
بہار آئی ہے گل زای میں، خزاں کے لئے
پیام دوست ہوا، قاصدوں کو وجہ شرف
نسیمِ مصر سے عزت ہے کارساں کے لئے
قدم بھی ہم کو نہ رکھنے دیا گلستاں میں
ہزار جلوۂ رنگیں ہیں اور ہر جلوۂ
مواد بحر لیے، چشم کوں فشاں کے لئے
قفس زمانہ و جاں مرغ و آشیاں ملکوت
قفس میں مرغ ہے بے تاب، آشیاں کے لیے

ہماری نظم میں ہے، شیفتہ، وہ کیفیت
کہ کچھ رہی نہ حقیقت مئے مغاں کے لیے

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

فردیات

پروانہ وار جلنا، دستور ہے ہمارا
اس شمع رو پہ مرنا، مشہور ہے ہمارا

آنکھ کل اس سے لڑاتا، تو لڑائی ہوتی
شیفتہ! پر میں وہ بدلی ہوئی چتون سمجھا

غیر پر پیار کی نظریں ہیں، غضب کی ہم پر
نگہِ یار میں ہے رنگ، گلِ رعنا کا

اس کی جب آنکھ پھری، پھر گئیں اس کی آنکھیں
شیفتہ مرنے پہ تیار ہی کیا پھرتا تھا؟

کیا جانے، گزری غیر پہ کیا اس کی بزم میں؟
آئے وہ اس طرح کہ مجھے پیار آ گیا

ویرانے کی مانند، ذرا جی نہیں لگتا
ہر چند کہ ہے شیفتہ! دلی وطن اپنا

رقیب پیتے ہیں کس کس مزے سے جامِ شراب
ہمارے دور میں افسوس! احتساب نہیں

☆

جوشِ جنوں و پند کی تاثیر دیکھنا
دامن کو ٹانکتا ہوں گریباں کے چاک میں

☆

ہر شیوے سے ٹپکے ہے ادا، ناز تو دیکھو
ہر بات میں اک بات ہے، انداز تو دیکھو

☆

کرتے ہیں جور و جفا، ناز و ادا کہتے ہیں
یہ بھی کیا لوگ ہیں! کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں؟

☆

منت کشِ عتاب پر الطاف شرط ہے
تنہا ستم نہ کیجیے، انصاف شرف ہے!

☆

ایسی رغبت سے کرے قتل، گماں کاہے کو تھا
شیفتہ! اس کو تو، لو، تم سے محبت نکلی

☆

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

☆

باقیات

وزگر جاتے، تو کیا کچھ نہ دکھاتے؟ دیکھا!
ایک ہی شب جو گئے، غیر کو جاتے دیکھا
کیوں نگہ ہائے کرم؟ صلح نہیں ہونے کی!
اپنی آنکھوں سے، تجھے آنکھ لڑاتے دیکھا
میری وحشت کی خبر قیس کو زنہار نہیں
کل بھی لوگوں نے اُسے خاک اُڑاتے دیکھا
ہاتھ ملنا ہے، پسِ مردن بھی رہا قسمت میں
گورِ اعداء پہ اسے ہاتھ اُٹھاتے دیکھا
گل کیا شمع کو، اس کو کی ہوا نے، جو ہمیں
نعش پر شیفتہ کی اشک بہاتے دیکھا

دن کو دکھلاتے ہیں حسنِ آتش افشاں کی بہار
دیکھ شب کو شعلہ ہوئے آہ و افغاں کی بہار
گل کھلائے شمع رونے، مجھ کو سر سے پاؤں تک
غیر کے گھر دیکھ کر سروِ چراغاں کی بہار
جلوۂ صبحِ وطن کیوں کر نہ ہو وحشت فزا؟
یا آتی ہے ہمیں شامِ غریباں کی بہار
سونگھ گل ہوش آگیا تھا، دیکھ گل پھر غش ہوا
یاد آئی مجھ کو اُس چاکِ گریباں کی بہار

سیرِ جنت سے، ہو کیا واشد دلِ افسردہ کو؟
چھا رہی ہے شیفتہ، آنکھوں میں تو واں کی بہار

گر کیجیے اس پری کی بیاں داستانِ رقص
ہو وجد اہلِ حال کو سن کر بیانِ رقص
آنکھوں میں پھر گیا مری وہ رقصِ جاں نواز
ہاروت! مجھ سے زہرہ کا مت کر بیان رقص
ہو مشتری کو خوبیِ کا لا سے وجد و حال
وہ خود فروش کھولے کبھی گر دکانِ رقص
تھا دل کو رقص، طائرِ بسمل کی طرح، شب
سن کر، عدو کے گھر میں، تری داستانِ رقص
ہاں! چاہیے صلہ مہ زہرہ روش کو دیکھ
کیا خوب شیفتہ نے کیا ہے بیانِ رقص!

اپنی تیغِ نگہ کی آب کو دیکھ!
دلِ بے حوصلہ کی تاب کو دیکھ
کانپتے ہیں پڑے درو دیوار
دیدۂ خانماں خراب کو دیکھ!
آگے اس جلوے کے، یہ تھا احوال
رو دیا ہم نے آفتاب کو دیکھ!
مجھ سے بے خوابی کا سبب، مت پوچھ!
اپنی ہی چشمِ نیم خواب کو دیکھ!

شکوے کی جا نہیں کہ ہو گئے ہم
بے حجاب آپ کے حجاب کو دیکھ
کس پری زاد کا ہوں دیوانہ؟
غش میں ہوں اپنے انتخاب کو دیکھ
دلِ بے تاب، پھر ہوا بے تاب
اس کے کاکل کی پیچ و تاب کو دیکھ
اب تو کہتے ہیں وہ بھی" شیفتہ کے
دل تڑپتا ہے، اضطراب کو دیکھ"

اگر طلب کرے، وہ مہ عذار، آئینہ
تو مہر نذر کرے زر نگار آئینہ
وہ گل نہ دیکھے کبھی، آنکھ اٹھا کے، گرچہ کرے
ہزار آہ، بہ رنگِ ہزار، آئینہ
پری کو شیشے میں بے تاب جس نے دیکھا ہو
ہوا وہ دیکھ کے یوں بے قرار آئینہ
نہیں ہے آبِ حیا، اس کی آنکھ میں، شاید
ہے، کس ڈھٹائی سے، اس سے دو چار، آئینہ
شمار غیروں کا کیجیے، تو طول کھینچے بات
بڑا ہے سب میں، سخن اختصار، آئینہ
تمہارے جلوے سے از بس کہ کھل گئی تھی قلعی
مثالِ ماہ ہوا شرم سار آئینہ
مناسبت ہے کہ ہے رطب اس قدر باہم

ہمارا دل ہے اگر روئے یار آئینہ
ہمارے آئینہ چشمِ اشک بار کو دیکھ!
کہ اس سے اور نہیں آب دار، آئینہ
جبھی سمجھ گئے ہم، دل میں، آمدِ دشمن
ہنسا جو لا کے ترا راز دار آئینہ
ذرا نگاہ کرو! شیفتہ کی شوخی کو
دہرا ہے پہلو میں، ہنگامِ کار، آئینہ

اشعار

☆☆☆

معجزِ حسن سے، سب جن و بشر ہیں تسخیر
میری بلقیس کو دعویٰ ہے سلیمانی کا
کس سمن رُو کے لیے ہے؟ کہ شرر کے بدلے
موجہ آہ کو ہے قصد گل افشانی کا
کسی بے تاب کو دیکھا کہ ہوا گرمِ عناں
کچھ نیا ڈھب ہے ترے رخش کی جولانی کا

☆

خون بہنے سے مرا، کیوں دل بسمل ٹھہرا؟
شیفتہ! دیکھ تو بڑھ کر، کہیں قاتل ٹھہرا
قیس بے تاب ہے خود، کون کہے لیلیٰ سے؟
ساربان! تو ہی کسی حیلے سے، محمل ٹھہرا

☆

اُف رے آدابِ محبت کہ ترے کوچے میں
جب تلک سر نہ رکھا، پاؤں اُٹھایا نہ گیا
غیر کے آنے کی رنجش نہیں جاتی اس سے
مجھ پہ طوفان، لو، یاں کوئی نہ آیا نہ گیا

☆

توڑیں گے خوب دخمہ پرویز، شیفتہ!
گر اپنے ہاتھ تیشہ فرہاد آگیا

☆

نہ ہو تجھ کو ظاہر میں اُلف مری
تجھے میں نے چاہا، تو کیا ہو گیا؟

☆

شمع رُو، تیری طرح، تجھ کو جلاتا میں بھی
اور تجھ سا جو کوئی شعلہ شمائل ہوتا

☆

شیفتہ! اس سا ستم گار، ہے اب مائل کیوں؟
اثرِ عشق سے انکار تجھے تھا، نہ ہوا

☆

شیفتہ، انکھ وہ غیروں سے بھی شاید پھیری
گر ہے ساقی کی طرف باز پسِ جامِ شراب

☆

روزِ غم، چرخ! بڑھا دینا خوب
پر شبِ وصل کو کوتاہ نہ کر!

☆

صورت دکھانے جاتے ہیں وہ سن کے نزع میں
دشمن سزائے حسرتِ دیدار بھی نہیں
یوں کچھ کہو، پہ غیر سے بھی نبھ چکی کہ جان
تم بے وفا نہیں تو وفا دار بھی نہیں
تم اور شیفتہ سے وفا کا گلہ، دریغ!

دشمن اسے سمجھتے ہو، جو یار بھی نہیں

یہ کیا ستم ہے! کہ یوں شیفتہ سے کھل جائے
وہ شرم گیں کہ جو غیروں سے بے حجاب نہیں

ناصح اُڑائیں سوزنِ عیسیٰ کی دھجیاں
ہے اب بھی تجھ کو فکر گریباں کے چاک میں

کیا حاصل ایسی بزم میں جانے سے، شیفتہ؟
جس جائے، دور باش نہیں، مرحبا نہیں

کیا ہو گئی وہ چشمک لطف و نگہ مہر؟
کیوں آنکھ تری اب نہیں ہے، پردہ نشیں، وہ؟

شکر! غیروں کو ہوئی اس دم لڑائی کی خبر
مجھ سے اور اس جنگ جُو سے جب صفائی ہو چکی
تیری جھوٹی مے کا کیا ہے؟ گر کبھی اس کے سوا
بادہ کش دیکھا ہو تو کہ:'' پارسائی ہو چکی؟''
اب مبارک ہو تمھیں! عیشِ وصال جاوداں
شیفتہ! تاب و تعب، صرفِ جدائی ہو چکی

☆

نہ کیوں کر اجل میرے قرباں جائے!
محبت میں اس کی، مری جان جائے

☆

ہے نوحہ دل، دل کے طلب گار تھے وہ بھی
پھر کیوں کہ نہ شیون کریں، شیون سے ہمارے؟
اے پردہ نشیں! تو نے ہی بے پردہ دری کی
لا کر جو دکھائی مجھے تصویر پری کی

☆

واں سے نسیم لے کے کہاں بو نکل سکے؟
جس بزم میں نہ شمع کا آنسو نکل سکے

☆

خود فروشی کا جو ہے اس رشکِ یوسف کو خیال
چرخے والوں کا محلّہ، مصر کا بازار

☆

غربت میں دشت طے ہو جو اس گل کے ساتھ، پھر
نے خواہشِ وطن، نہ ہوائے چمن رہے

☆☆☆☆☆

رباعیات

☆☆☆☆☆

افسوس! نہ مجھ پہ رحم آیا تم کو
بے درد و ستم شعار پایا تم کو
کیوں آگ ہو؟ کیا مرے جلانے کے لیے
اللہ نے شعلہ رو بنایا تم کو؟

☆

جھوٹا ہے ترا قرار، چھوڑا تجھ کو
غیروں سے ہے تجھ کو پیار، چھوڑا تجھ کو
چاہا چھوٹے، نہ چھوٹی عادت تیری
نا چار ہو، میں نے، یار! چھوڑا تجھ کو

☆

مانا کہ بس اب مرا ستانا چھوڑا
اور داغِ فراق سے جلانا چھوڑا
پر یہ تو کہو جو سب سے بالا تر ہے
غیروں کے پاس کا بھی جانا چھوڑا؟

☆

بیگانہ ہوئے سب اقرباء، تیرے لیے
دشمن بنے یار و آشنا تیرے لیے
یہ کچھ گزری پھر اس پہ تو کہتا ہے:
'' چھوڑوں رقیب کو میں کیا تیرے لیے؟''

☆

ہم مر گئے، تیری چاہ کرتے کرتے
غیروں سے ہی نباہ کرتے کرتے
کیا جانیے! سنگ دل تو ہے کون نہیں
پتھر کے بھی دل میں راہ کرتے کرتے

☆

میں جام نہیں کہ منہ لگائے مجھ کو
نے آئینہ، جو شکل دکھائے مجھے کو
اے شیفتہ! تصویر بنائی، نہ میں غیر
کس طرح وہ ساتھ پھر سلائے مجھ کو؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انتخاب: مثلث بر غزلِ مومن

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مائل ہیں اھلِ بزم بھی آزار کی طرف
مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف
دیکھے ہے مجھ کو، دیکھ کے اغیار کی طرف
تب، اور سوزِ اشک نے داغ اک نیا دیا
وہمِ فغانِ یار نے شیشہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچہ دل دار کی طرف
دل چاک چاک شوخیِ بے جا سے ہو گیا
اُس نے دکھا دکھا کے مجھے، چھیڑ دیکھنا!

گل پھینکے عندلیب گرفتار کی طرف
ہم داد خواہ ہو چکے روزِ نشور میں
دل بعدِ قتل بھی نہیں بھرتا کہ گور میں
منہ پھر گیا ہے کوئے ستم گار کی طرف
کہتا تھا اس سے شیفتہ سوختہ جگر
کافر گلے لگا ہے تو مومن کے مت مگر
دیکھ اپنے نفس رشتہ زنار کی طرف

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انتخاب: مخمس بر غزلِ مومن

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناصح کو حرفِ تلخ منایا نہیں ہنوز
دم ہمدموں کے ناک میں لایا نہیں ہنوز
شورِ فغاں سے فتنہ اٹھایا نہیں ہنوز
ہجراں کا شکوہ لب تلک آیا نہیں ہنوز
لطفِ وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز

☆

ثابت جنھی وفا ہو کہ کہ ہجر میں وفات
بے امتحان وصل، بھلا، یہ بھی کچھ ہے بات
تازیست، کس طرح غمِ ہجراں سے ہو نجات؟
یک چند اور کا ہمشِ غم، چشم التفات
میں یار کج نظر میں سمایا نہیں ہنوز

☆

ان گرم جوشیوں پہ ہیں افسردہ کس قدر
ہر ہر خلاف طبع پہ ہوتی ہے چشم تر
جب قدء ہو کہ لوٹے، مری طرح، آگ پر
کیا سوزِ رشک کے دل اغیار کو خبر؟
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

☆

جب کچھ اثر نہ ہو، تو نصیحت سے فائدہ؟
کچھ فائدہ نہ ہو، تو فصیحت سے فائدہ؟
جب ٹھہر جائے قتل، تو مہلت سے فائدہ؟
ہوں خوں گرفتہ یارو! شفاعت سے فائدہ؟
صیدِ اجل کسی نے چھڑایا نہیں ہنوز

☆

اغیار کے تو طعنوں کا اظہار کیا ظرور
اب وہ بھی چھیڑتے ہیں جو اس راہ سے ہیں دور
ظالم! کہاں تلک دل بے تاب ہو صبور؟
واعظ! ہمارے سامنے کرتا ہے وصف حور
سمجھا ہے تو نے، جلوہ دکھایا نہیں ہنوز

☆

آرام کا کچھ دھیان، نہ کچھ فکر طرب ہے
جلنت کے ہوس، شوق تپش، غم کی طلب ہے

جو تجھ کو ہے منظور، وہی مجھ کو بھی اب ہے
پھر یہ اگر تجھ سے نہ ہو وے، تو غضب ہے
اے چرخ! نہ گویم کہ بجائے خوشم انداز
یک بار اگر در کف آں آتشم انداز

منتخب مسدس

☆☆☆☆☆☆

منظور ہے گر تجھ کو کہ میں خوب جلاؤں
جتنا نہ ستایا ہو کسی نے، میں ستاؤں
تدبیر بہت سہل میں اک تجھ کو بتاؤں
مت ماں! گر آرام کی کچھ بات بتاؤں
اے چرخ! نہ گویم کہ بجائے خوشم انداز
یک بار دگر در دفِ آں آتشم انداز

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ: مسی مالی یاقوت لباں، مروارید دنداں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ساقیا! بس، مئے دو آتشہ لا!
مثلِ خورشید و مہ، دو جام پلا!
روزو شب، تا، نشاط ہی میں رہوں
صبح و شام، انبساط ہی میں رہوں
ہے دو چند اب فضائے عالم تنگ
ہے زمانِ دو رنگ اب یک رنگ
دور ایام ہے الم سے نفور
رات کو عیش ہے، تو دن کو سرور
یعنی دو نازنیں دل آرام
جن کا ہے رمجو اور جنگلو نام

صبح عیش ایک، ایک شام سرور
روزِ عید ایک ایک شب پرنور
ہیں اگرچہ وہ دونوں مہ پیکر
لیک بالاتر ان میں، بالا تر
ربط آپس میں ان دے حد سے زیاد
کہ وہ اک باغ کے تھے دو شمشاد
تھے وہ گویا دہ قالب اور اک جان
دونوں کے دل میں ایک ہی ارمان
سو ندالی بہم ہوس جی کی
ایک دن ہس سی کع شادی کی
کیا کہوں؟ بزم عمس کا عالم
آئیں دونیں، میں لگا، جس دم
بزمِ تصویر کا سا ساماں تھا
تھا سیہ مست، جو کوئی واں تھا
مجھ میں جب ہوش اور حا ل آیا
سال تاریخ کا خیال آیا
شیفتہ ہے، جو لا لہ چین سخن
کہا اس نے، ، دو غنچہ سوسن، ،

☆☆☆☆☆☆☆

نامہ شیفتہ جاں گداز
بہ جانب محبوبہ دل نواز

☆☆☆☆☆☆☆

اے ساقیِ محفل نکویاں!
اے رونقِ بزمِ شمع رویاں!
اے زمزمہ سنجِ نغمہ پرداز!
اے ماہ لقائے زہرہ انداز!
اے دلبرِ خلق و جانِ عالم!
گنجینہ بحر وکانِ عالم!
اے برقِ تپاں زمانہ رقص!
اے سروِ رواں زمانہ رقص!
رفتار سے تیری صبر پامال
ہم نغمہ صور، بانگِ خلخال
کیا تو نے غضب کیا؟ صد افسوس!
پھر داغ نیا دیا، ؟ صد افسوس!
پہلے جو ہوئی تھی کچھ جدائی
اس سے ہی نہیں تھی تاب آئی
یہ تازہ قلق جو دے گئے تم
یعنی یہ کہ وہاں چلے گئے تم
اس شہر سے کر گئے سفر، ہائے!
کی میری طرف نہ کچھ نظر، ہائے!
سوچ نہ کی، اس پہ کیا بنے گی؟
کس جانِ حزیں پہ آبنے گی
دیکھا نہ کسی کی بے کسی کو
پہنچے نہ ذرا ستم رسی کو

عاشق سے یہ رم جو کر گئے تم
ہاں، اپنے ہی نام ہو گئے تم
آیا نہ خیالِ دردمندی
دی دلف کے ناز کو بلندی
کیا ہجر کے غم دکھائے تو نے؟
یہ کیا کیا؟ ہائے ہائے! تو نے
وہ حرف کہ باعثِ ستم ہے
کیوں کر نہ لکھوں؟ کہ جوشِ غم ہے
کیا غم غمِ رشک خود نمایاں
الفت طلبانِ بے وفایاں
کچھ اپنے نصیب کی شکایت
کچھ بخت رقیب کی شکایت
کچھ حال دل و صال جو کا
کچھ طعنہ محبت عدو کا
کچھ سرو کار تازہ جاں کا
کچھ کچھ گلہ وصل دشمناں کا
طاقت ہی نہیں کہ چپ رہوں میں
بتلا دے! اگر غلط کہوں میں
ہر دم ہے یہاں خیال تیرا
اوروں سے ہے واں وصال تیرا
یاں آتش گم سے سینہ بریاں
ساں رشک طرب سے دیکہ گریاں

یاں، شعلے کی طرح، دل تپاں ہے
تو بزم فروز دشمناں ہے
یاں جام میں، جائے مے، لہو ہے
تو ساقیِ محفلِ عدو ہے
کیوں کر نہ تمہیں برا کہیں اب؟
جو ہم پہ کرم تھے، ان پہ ہیں سب
کچھ بلکہ زیادہ مہربانی
ربط دل و الفت زبانی
اب تازہ رقیب شاد ہوں گے
ہم کاہے کو تم کو یاد ہوں گے؟
کچھ بھی نہ رہی امید واری
برباد گئی وفا ہمائی
خوگر تھے سدا سے اس الم کے
پر کچھ نہ کہ اس قدر ستم کے
اس ظلم میں پھر عنایتیں تھیں
گو جب بھی ہمیں شکایتیں تھیں
رہتے تھے بحال گاہے گاہے
ہوتا تھا وصال گاہے گاہے
جب عالم وصل یاد آیا
حسرت نے ٹھکانہیں لگایا
یاد آئے ہے وہ زمانہ عیش
ہے ورد زناں، فسانہ عیش

وہ تیری فسوں گری کی باتیں
دل داری و دل بری کی باتیں
وہ طور کہ جس میں آن نکلے
وہ ناز کہ جس پا جان نکلے
وہ قہر کہ جس سے ہو عیاں لطف
ظاہر میں عتاب، پر نہاں لطف
دالان جو غیرت ارم تھے
ہم تم شہوصل، واں بہم تھے
ویراں کدۂ جنوں بنے ہم
غیرت دہِ بت ستوں بنے ہم
وحشت ہے مجھے ہر اک مکاں سے
ہی تھا جہاں میں، اُٹھا وہاں سے
آنکھوں سے ہے سیل اشک جاری
ڈوبے کہیں کاش! بے قراری
آتا ہوں میں بیر برا در تک
بے یابی ہے شام سے سحر تک
ٹپکے ہے لہو سدا نظر سے
خوں ریزی ہے شام تک سحر سے
بے تابی جاں، زماں زماں ہے
اے مائیہ عیش! تو کہاں ہے
گو پاس ہے کوئی، یا نہیں ہے
پر مجھ کو خیر ذرا نہیں ہے

بے ہوشی اور بے حواسی
جو دل میں ہے خویشتن شناسی
بیت ہوشی سے صدمہ جان پر ہے
جو دل میں ہے، سو زبان پر ہے
ہوتا ہے عیاں غمِ نہانی
قابو میں نہیں ہے جان، جانی!
ہر دم یہ کلام وردِ لب ہے
جیتا ہوں فراق میں، غضب ہے!
ہر لحظہ یہ حرف ہے زباں پر
آ جلد! کہ آ بنی ہے جاں پر
ہر روز جفائے غم، فزوں ہے
جوں چشم امید، غرقِ خوں ہے
غلفت نہیں تیری اب تلک کم
کیوں کر نہ زیادہ ہو مجھے غم؟
جس دن سے گئے ہو، یعنی، یاں سے
خط بھی نہیں بھیجا اک وہاں سے
کرتے نہیں خط رواں، نہ کیجئے
آزادی کا خط تو بھیج دیجیے
تا پائے سزا، یہ جانِ مشتاق
ہوئے نہ جدائی بدن شاق
امید سے زندگی ہے اب تک
ایما ہو کہ آچکی ہے لب تک

کیوں کر نہ ہو اضطرابِ نامہ
ہے منتظرِ جوابِ نامہ

ہر شب زیادہ بے قراری
رحلت ہے یہاں سے اب ہماری

کھینچا سوئے دشت پھر جنوں نے
پھر ہم کو بہایا سیلِ خوں نے

لو، شہر ہی چھوڑ کر چلے ہم
تم واں گئے اور اِدھر چلے ہم

کیا وصل محال ہوگیا اب
تھا خواب، خیال ہوگیا اب

تم آئے، تو ہم بھی آئیں گے یاں
دیکھیں گے، تو منہ دکھائیں گے یاں

ورنہ کہیں یوں ہی مر رہیں گے
ناکام ہی کام کر رہیں گے

لازم تو یہ ہے کہ جلد آؤ
پھر جلوۂ تو بہ نو دکھاؤ

ظالم! نہ ہو اتنا بے وفا تُو
انصاف سے دیکھ تو! ذرا تُو

یہ شیفتہ کیا ہی شیفتہ ہے
آخر یہ ترا ہی شیفتہ ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہجراں فسانہ شیفتہ جاں باز
پیشِ نازنینِ مستِ خوابِ ناز

☆☆☆☆☆☆☆☆

اے سراپا جفائے نا انصاف!
بے وفا، سست عہد، وعدہ خلاف!
تم جو آئے نہ ساتھ سورج پور
روزِ روشن ہوا شبِ دیجور
جب کہ دریا سے ہم اتر آئے
آنکھ میں اشکِ سرخ بھر آئے
اور جب اس طرف روانہ ہوئے
ساتھ سب، صف بہ صف، روانہ ہوئے
تازیانے تھے لاکھوں توسن پر
نہ تک و دو کو، جرمِ رفتن پر
آفتیں ہم رکاب تھیں ہر دم
راحتیں سو عذاب تھیں ہر دم
حسرتیں لحظہ لحظہ آتی تھیں
کلفتیں خاک میں ملاتی تھیں
زخم قطعِ زمین سے تھے کیا کیا
مشورے ہم نشیں سے تھے کیا کیا
گفتگوئے مراجعت، ہر دم
آرزوئے مراجعت، ہر دم

چہر سے جتنی دور ہوئے تھے
اس قدر زار زار روئے تھے
لغزشِ پا تھی، ہر قدم، کیا کیا
دم پہ بنتی تھی، دم بہ دم، کیا کیا
نہ کہ اک اور ہی بلا آئی
کیسی منزل، مری قضا آئی
جب اتر بیٹھے آہ! منزل میں
لگ اُٹھی آگ خانہ دل میں
نہ بچی بے گنہ جہنم سے
جل گئی جان آتشِ غم سے
ہائے! سوزِ نہاں نے پھونک دیا
شعلہ ہائے فغاں نے پھونک دیا
جب شبِ وصل یاد آتی تھی
شامِ تنہائی بھول جاتی تھی
دھیان میں تھے جو تیرے لطف و کرم
نالہ زن تھے کہ ہائے ہائے ستم!
دم بہ دم، جی چلا ہی جاتا تھا
وقت رخصت کا یاد آتا تھا
قسمیں وہ وعدۂ وفا کے ساتھ
وہ یہ کہنا ترا، ادا کے ساتھ:
’’کب تلک آؤ گے؟ یہ کہ جاؤ!
اچھی! تم آج اور رہ جاؤ!‘‘

چشم زہر آبِ حسرت آلودہ
وہ نگاہیں مروت االودہ
دمِ رخصت، چمٹ کے لگنا گلے
اور وہ کہنا کہ'' تم تو سچ ہی چلے!''
یہ جو، ہر دم، خیال آتے ہیں
اشک کے ساتھ، ہوش جاتے ہیں
وہی صحبت مجھے دکھائے خدا
جلد بچھڑوں کو پھر ملائے خدا
حسرتوں سے نظر تھی سوئے فلک
جوں شبِ غم سیاہ روئے فلک
کہتے تھے: '' ہائے! کیا کیا تو نے
مہروش کو جدا کیا تُو نے''
بس کہ تکلیف تازہ جان پہ تھی
دم بہ دم، یہ غزل زبان پہ تھی

غزل

محو ہوں بس کہ اس ستم گر کا
ہے گلہ، اپنے حالِ ابتر کا
حال لکھتا ہوں جانِ مضطر کا
رگِ بسمل ہے، تار مسطر کا
آنکھ پھرنے سے تیری، مجھ کو ہوا
گردشِ دہر، دور ساغر کا
ہاتھ اُٹھا کر، نہ جا، عدو کی طرف
میں ہوں پامال تیری ٹھوکر کا
شبِ غم واعظوں نے کب دیکھی؟
کیوں نہ ہو خوف روزِ محشر کا؟
میری ناکامی سے فلک کو حصول؟
کام ہے یہ، اُسی ستم گر کا!
شعلہ رُو یار، شعلہ رنگ شراب
کام یاں کیا ہے دامنِ تر کا؟
آپ سے لحظہ لحظہ جاتے ہو
شیفتہ، ہے خیال کس گھر کا؟

اس کہ آرام کا خیال نہ تھا
گھر تلک پہنچنے کا حال نہ تھا
رہے باہر ہی رات کو، ناچار
مرگ سے شاد، زیست سے بیزار

تین دن تک یہی رہا احوال
کہ لگے تھا برا، بھلا احوال
روزِ یک شنبہ پھر روانہ ہوئے
غیرتِ گردشِ زمانہ ہوئے
یعنی اس سے تو اور پر ہے عذاب
ہم ہیں گردش سے آپ اپنی خراب
پہنچی منزل کو کیوں کہ کھو دیں ہم
یعنی منزل کو پہنچیں گے اس دم
کہ وہ وعدہ وفا کرو گے تم
حقِ الفت ادا کرو گے تم
رمضاں بھی قریب ہے لیکن
مجھ کو شورِ نشور ہے ہر دن
کس کو صبر و سکوں کا یارا ہے
تلخ کامی کہاں گوارا ہے؟
کس طرح دل کو اپنے سخت کروں؟
کیوں کہ چھاتی پہ پتھر، آہ! دھروں؟
سب برابر ہیں جب کہ ٹھہری بات
لیلۃ القدر ہو کہ شامِ برات
کب تلک میں ملول، حیراں ہوں
دیر سے کیا حصول؟ حیراں ہوں
مجھ کو بلواؤ، یا تم آپ آؤ
جلد ٹھہراؤ، جلد ٹھہراؤ!

اور توبہ کو بھی قیام رہے
صحنِ خانہ ہی میں قیام رہے
یاد رکھیو وہ سینکڑوں قسمیں
آئیو مت رقیب کے بس میں!
کیجیو مت خیالِ خامِ سفر!
لائیو مت زباں پہ نامِ سفر!
حرف لانا نہ بات پر اپنی
پختہ رہیو صفاتِ پر اپنی
جاں پہ لب ہوں فلک کے کینے سے
آگے مت بڑھیو اس مہینے سے
کہ مجھے ناگوار ہے یہ بہت
ہوں، مری جان! بے قرار بہت
گو کہ ہووے رقیب دورِ زماں
پر نہیں صبر، عید تک بھی، یہاں
مان لے التماس یہ میرا
تیرے قربان! شیفتہ تیرا
مجھ کو پہنچاؤ مدعا کو تم
دیکھنا پھر مری وفا کو تم
مرتے مرتے یونہی نباہوں گا
تم سے افزوں وفا کو چاہوں گا

☆☆☆☆☆

نامہ مہر تصویر

☆☆☆☆☆

بخدمت یار ماہ نظیر بہ گونہ گونہ دراز نفسی ہا
بہ شرحِ طولِ شبِ ہجراں وتمنائے طلوعِ ستارۂ سحری یعنی
بہ مدد گاری انجم فوزِ نعمتِ وصال

☆

اے گلِ بوستانِ ناز و ادا!
اے مہِ آسمانِ مہر و وفا!
اے تمنائے جان و خواہشِ دل!
اے فزوں سازِ شوق و کاہشِ دل!
اے سمن بوئے نسترن اندام!
لالہ رخسار، سرو قد، گل فام!
گلِ رعنائے باغِ رعنائی!
دُرِ یکتائے بحرِ یکتائی!
اے تسلیِ خاطرِ بے تاب!
اے تسلیِ خاطرِ بے تاب!
مایہ اضطرابِ شیخ و شاب!
اے ستم کیش، بے وفا، عیار!
اے دل آرام، دل ربا، دل دار!
تم سے رخصت ہو، میں ادھر آیا
آنکھ میں جا ے ء خوں جگر آیا

میر ی بے تا بیوں سے ہو مضطر
جان آئی وداع کو لب پر
آہ وزاری نے یہ ہوا باندھی
نفسِ سرد سے چلی آندھی
جوشِ گریہ سے تھا رواں دریا
مگر اس جوش کا کہاں دریا؟
جس کا ہر قطرہ، شکل طوفاں کی
آبرو خاک، جس سے، عماں کی
نسیم موج اس کی غیرتِ جیحوں
رشک سے جس کے، نیل کا دل خوں
منفعل رعد، آہ و افغاں سے
آب آب ابر، چشمِ گریاں سے
ناوک نالہ، وقفِ گردنِ چرخ
شررِ آہ، برقِ خرمنِ چرخ
جوش پر بے قراریِ دل تھی
رشک افزائے مرغِ بسمل تھی
کیا کہوں اضطرابہ کا عالم؟
کارخانہ جہاں کا تھا برہم
آدمی جن پہ، ادمی پہ ملک
آسماں پہ زمیں، زمیں پہ فلک
کیا کہیں بے خودی کا ہم عالم؟
پہروں آتے نہیں ہیں اپ میں ہم

صُورِ افغاں سے حشر برپا ہے
تو بھی جیتا ہوں، کیا تماشا ہے؟
ہاتھ سے دل کے، رنج ہیں کیا کیا؟
ہاتھ دل سے اُٹھا، تو جی بیٹھا
دو الم، کیوں نہ ہووے طاقت طاق؟
آرزوئے وصال، و رنجِ فراق
کیا بلا ہے شبِ فراق سیاہ؟
طالعِ تیرہ جس کے سامنے آہ
نہیں دخلِ نجوم و ماہ کہیں
دلِ کافر سے بھی سیاہ کہیں
روز و شب میں تمیز ہو نہ کبھو
زلف و رُخ سے نہ فرق ہو سرِ مُو
فی المثل شمس گر ہو جلوہ فزا
اُس کا سایہ ہو، سایہ عنقا
اُس کے ظل کا کہیں نشان نہ پائے
لاکھ مشعل، ہزار شمع جلائے
کیا ڈراتی ہے یہ شبِ دیجور؟
شمع کے منہ سے اڑ گیا ہے نُور
روزِ محشر سے جاں گداز کہیں
آپ کی زلف سے دراز کہیں
ہجر کی شب بسر نہیں آتی
بانگِ مرغِ سحر نہیں آتی

سچ ہے! کیا ہو ظہورِ نورِ سحر؟
مہر پر منحصر، ظہورِ سحر
سو وہ ہے شمعِ بزمِ عشرتِ یار
کچھ نہیں اور چارۂ شبِ تار
کہ کسی ڈھب سے واں تلک پہنچوں
محفلِ خور فشاں تلک پہنچوں
حم، اے کاش! چرخ کو ائے
کہ تری انجمن میں پہنچائے
سُن لے افغاں چرخ رس کو مری
دیکھ لے تنگیِ نفس کو مری
سوچے مضمون آہ بسمل کو
اس سے افزوں نہ خوں گرے دل کو
کرے دردِ دلِ تپاں پہ نگاہ
چشمِ خونِ جگر فشاں پہ نگاہ
طاقتِ ضبطِ اضطراب نہیں
صبر کرنے کی اب تو تاب نہیں
اے فلک! گردشِ وژم سے حصول؟
اے فلک! کینہ و ستم سے حصول؟
اے فلک! تجھ سے پوچھتے ہیں ہم
رحم بہتر ہے خلق پر کہ ستم
سوچ تو، رحم ہے صفت کس کی؟
مرحمت، نعت و منقبت کس کی؟

کیوں جفا سمجھیں سہل، اہلِ جفا؟
کس سخن کے ہیں اہل، اہلِ جفا؟

شیفتہ! چرخ سے شکایت کیوں؟
اس ستم گار سے حکایت کیوں؟

کیا ہوئی شرم؟ کیا ہوئی غیرت؟
ایسی باتوں سے مجھ کو ہے حیرت

اس قدر زاری و تذلل کیوں؟
اس قدر خامی تخیل کیوں؟

اس کو کیا تاب و طاقت بے داد؟
کیا سپہر اور سپہر کی بنیاد؟

آہ جس وقت شعلہ افشاں ہو
آسماں پنبہ فراواں ہو

آسماں سے خطاب، بے حاصل
عاجزی و تعاب، بے حاصل

اب دعا کیجئے! منتظر ہے اثر
لائیے آرزوئے دل، لب پر

تا کہ بزمِ جہاں ہو جلوہ فزا
تیری محفل میں ہوں میں بزمِ آرا

تا کہ ہو ماہ آسماں پہ پدید
تیرے گھر میں ہو روز عشرتِ عید

دھلی کا مرثیہ

☆☆☆☆☆☆

ہائے دھلی، و زہے دل شدگانِ دھلی!
آپ جنت میں ہیں اور دل نگرانِ دھلی!
وہی جلوۂ نظر آتا ہے، تصور میں، ہمیں
مٹ گئے پر بھی یہ باقی ہے نشانِ دھلی
کُل یومٍ ہُو فی شان کی ہے جلوہ گری
کیا ہوا؟ گر نہ رہی شوکت و شانِ دھلی
تھیں جو انہار بہشتی کی حکایت نہریں
وہی نہریں ہوئیں اب اشکِ روانِ دھلی
گر نہ کہویں کہ یہ دھلی ہے، تو ہرگز نہ پڑے
دلی والوں کو بھی دلی پہ گمانِ دھلی
کس طرح پردے سے نکلے ارمِ ذاتِ عماد؟
ابھی موجود ہیں دو چار مکانِ دھلی
ربعِ مسکوں سے زیادہ ہے بہت وسعت میں
چاندنی چوک کہ واقع ہے میانِ دھلی
صورتیں ہو گئیں معنی، جسد ارواح ہوئے
بے خبر کہتے ہیں:'' ویراں ہے جہانِ دھلی''
رند پریاں کے کریں رشک، ثقاتِ امصار
بادشاہوں پہ کریں ناز، شبانِ دھلی
دل قدح، بادہ محبت، گلی و ریحان عرفاں
کچھ نئے رنگ کے ہیں بادہ کشانِ دھلی

پیر، خوش رائے اگر ہیں تو جواں ہیں خوش رُو
عجب انداز کے ہیں پیر و جوانِ دہلی

شیفتہ! اور ستائش کے نہیں ہم خواہاں
یہی بس ہے کہ کہیں: ”ہے یہ زبانِ دہلی“

☆☆☆☆☆

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2005

الماس ریزے

☆☆☆☆☆

ایسے جفائے یار میں پائے مزے کہ بس
منکر ہی ہو گیا میں عذابِ الیم کا

☆

کیا ہووے شامِ روزِ جزا ڈھب نجات کا
باقی ہے انتقام ابھی عشرت کی رات کا

☆

کیا دوں جواب داورِ روزِ شمار کا؟
ہے اب تلک خیال اسی غفلت شعار کا

☆

کیوں نہ ہووے تپشِ دل سے مجھے خواہشِ مرگ؟
سب کو دنیا میں پسند آئے ہے آرام اپنا

☆

کیا کہیں گے گر ستم دیکھے کہ اک بے دید تر
شیفتہ عاشق ہوئے وہ شوق میرا دیکھ کر

☆

از بس کہ دیکھ جلوہ ترا جل گئی بہار
شعلے اُٹھے زمینِ چمن سے بجائے گل

☆

میں زندہ اور غیر پہ بیداد، جل تو
اے مرگ! داد چاہیں گے، چل کر، خدا سے ہم

دشمن نواز یار و فلک بو الہوس پرست
کس سے جفائے غیر کا یا رب گلہ کروں؟

نیرنگِ حسن کے ترے جلوے کہاں نہیں؟
آئینہ اشک بار ہے، دریا روں نہیں

وعدے ہیں بو الہوس کو عبث مال و جاہ میں
الماس ریزے فرش ہیں یاں خواب گاہ میں

موئے پہ بھی مجھے کس طرح اضطراب نہ ہو؟
یہ جور ہیں کہ قیامت کے دن حساب نہ ہو

دیت اہلِ فلک کی درھم داغ
کہ تیرِ نالہ اپنا خوں چکاں ہے

شب وہ مستِ شرابِ ناب رہے
اور ہم ان سے کام یاب رہے

نے خوش کرنے کو پڑھوایا عدو سے خط مرا
بس کہ تھا آگاہ حرفِ شکوہ کی تحریر سے

سخنِ راست ہے، نے کذب، نہ ہے لاف، نہ ہزل
شیفتہ کوئی سخن ور نہیں بہتر ہم سے

The End----------ختم شد----------